غازی علم الدین شہیدؒ کی حالاتِ زندگی پر خوبصورت کتاب

سیرت
شہید ناموسِ رسالت ﷺ
حضرت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ



تالیف: محمد حسیب القادری

ناشر: اکبر بک سیلرز لاہور

حضرت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی حالات زندگی پر خوبصورت کتاب

سیرت

حضرت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

تالیف:
محمد حسیب القادری

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور
Ph: 042 - 7352022
Mob: 0300-4477371

نام کتاب: غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

مصنف: محمد حسیب القادری

پبلشرز: اکبر بک سیلرز

تعداد: 600

قیمت: -/120

ملنے کا پتہ

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

Ph: 042 - 7352022

Mob: 0300-4477371

انتساب

سیّد الشہداء حضرت سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

کے نام جنہوں نے اپنے خون سے دین اسلام کی آبیاری کی

اسلام کے جھنڈے کو جب غازی اٹھالیں گے
تکبیر کے نعروں سے دنیا کو ہلا دیں گے
اسلام زمانے میں دبنے کو نہیں آیا
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے
مسلم کو حقیقت میں کمزور نہ تم سمجھو
یہ مٹتے مٹاتے بھی دنیا کو مٹا دیں گے

فہرست

حرفِ آغاز

مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند جب اس سرزمین پر آباد ہوئے تو انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر غیر مسلموں کو اپنے اخلاق و آداب سے مجبور کر دیا کہ وہ دین اسلام کی طرف مائل ہوں۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں پر جب وہ حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو چھوڑ کر دنیاوی اور مادہ پرست زندگی کی طرف مائل ہوئے تو ان پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ یہی حال مسلمانِ برصغیر پاک و ہند کا ہوا اور وہ انگریزوں کے غلام بن گئے۔ ہندو ان پر مسلط ہو گئے اور ان غیر مسلم اقوام کا آپس میں اس بات پر اتحاد تھا کہ وہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے۔

انگریز جب برصغیر پاک و ہند پر مکمل طور پر قابض ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جغرافیائی جنگ کی بجائے نظریاتی بنیادوں پر جنگ کا آغاز کر دیا جس کے نتیجے میں انہوں نے ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملا کر دین اسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات کو نشانہ بنانا شروع کیا اور متعدد من گھڑت کتابیں اور رسائل تحریر کئے جن سے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا گیا۔ اسلام اور عیسائیت کی برسوں سے چلتی ہوئی اس کشمکش میں ہندوؤں نے انگریزوں کو بھرپور ساتھ دیا اور اپنے مکارانہ رویے اور گندی ذہنیت کا بھرپور ثبوت دیا۔

انگریز برصغیر پاک و ہند میں وہی تاریخ دہرانے کی کوشش کرنے لگے جو انہوں نے اسپین کی فتح کے بعد کی تھی تاکہ برصغیر پاک و ہند سے بھی دین اسلام کا نام و نشان ختم ہو جائے۔ انگریزوں نے اس مقصد کے لئے کئی تحاریک کو فروغ دیا۔ ان سب تحریکوں کے پیچھے امریکہ کی "تھیوسوفیکل سوسائٹی" کارفرما تھی جس کی سرپرستی میں یہ تنظیمیں گھناؤنی

حرکتوں میں ملوث تھی۔ چنانچہ جب دین اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں حد سے زیادہ ہوگئیں تو اس دوران غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے درخشاں ستارے کا باب شروع ہوا جس نے اس دور میں بدنام زمانہ کتاب "رنگیلا رسول" کے ناشر راجپال کو جہنم واصل کیا اور پھر جامِ شہادت نوش فرمایا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کے ان دشمنوں پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں پر خواہ کتنے ظلم و ستم ہوں لیکن جو بھی ان کے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے گا اس کا انجام راجپال جیسا ہی ہوگا۔ اس کتاب کی تالیف کا مقصد بھی صرف یہی ہے کہ آج پھر وہ دور ہے جب دشمنانِ اسلام ناموسِ رسالت مآب ﷺ پر حملہ آور ہو رہے ہیں، ان کو یہ پتہ چل جائے کہ ناموسِ رسالت مآب ﷺ کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات کیا ہیں اور وہ اس بارے میں کسی بھی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کر سکتے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کتاب کی تالیف کا ایک اور مقصد یہ بھی ہے کہ آج کے اس مادیت پرست دور میں ہم لوگ اپنے اسلاف کے کارناموں کو بھلاتے جا رہے ہیں جنہوں نے دین اسلام کے فروغ و اشاعت میں بے دریغ قربانیاں دی ہیں۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور ہمیں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسی محبت رسول اللہ ﷺ عطا فرمائے۔ آمین

اے صبا! آج ہمیں راکھ سمجھ کر نہ اڑا
ہم نے جل جل کے تیرے راستے چمکائے ہیں

محمد حسیب القادری

زینت عالم اسلام

(از ابو واصف چشتی رحمۃ اللہ علیہ)

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ عالم اسلام کی زینت، اِک پروانہ، اِک گمنام، اِک پردہ نشین عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وہ اِک مجاہد عزیمت، وہ اِک عظیم شہید جو ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کے روز سے پہلے نہ صرف لاہور بلکہ سارے عالم اسلام کے لئے گمنام تھا جس کے بارے میں کوئی بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے؟ اور اس کے ذہن میں کیا خیالات مستور ہوئے ہیں؟ جو بظاہر ان پڑھ، سیدھا سادھا، بے جوش، خاموش طبع، شرمیلا جوان تھا جس کی بظاہر سرگرمیوں سے کچھ بھی عیاں نہ ہوتا تھا کہ باطن سے یہ شخص کیسا ہے اور اپنے اندر عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے بڑے انمول جذبے کو چھپائے بیٹھا ہے اور اس عشق کی شمع پر قربان ہونے کے لئے روز اول سے ہی اپنے اندر جذبۂ شہادت کے ننھے منھے بیج کو سمو کر اس کی آبیاری اپنے خون اور اپنی روح کی مقدس تانوں سے کر رہا ہے اور یہی وہ کونپل جب پروان چڑھ کر ایک تنومند درخت کی شکل اختیار کر کے پردۂ نہاں سے پردہ ظاہر میں اظہار پذیر ہوئی تو اس کی شاخوں سے پھوٹنے والے آفتاب کی ضیاء پاشی سے وہ کرن پھوٹی کہ جس نے شہادت کے مرجھائے ہوئے گلاب کو تا روز محشر حیات جاودانی اور تاب لازوال، حسن بے مثال بخشی کہ سارا عالم اس کی مہک سے جگمگا اٹھا اور تا روز محشر جگمگاتا رہے گا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ وہ پروانۂ عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا جس نے نہ تو گفتار کے میدان میں زور آزمائی کی تھی اور نہ ہی سیاست کے خارزار میں قدم رکھا تھا۔ جس نے نہ تو ملاؤں سے درس لیا تھا اور نہ ہی فرنگیوں سے داؤ پیچ سیکھے تھے۔ جو ایک سیدھا سادھا

بندہ تھا جو گفتار کی بجائے کردار کا غازی تھا۔ جس نے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے سے لے کر تادم مرگِ شہادت کبھی بھی یہ عیاں نہیں ہونے دیا کہ دعویٰ عشق رسول اللہ ﷺ کیا ہے؟ کیسا ہے اور اس کے اظہار کا ذریعہ کیا ہے؟ اس پر قربان ہونے کے حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کے اصول کیا ہیں؟ اور ان اصولوں پر کس طرح چلا جاتا ہے؟ اور کس طرح آگے قدم بڑھا کر خوشنودی رب ذوالجلال والاکرام حاصل کی جاتی ہے؟ اس کے ظاہری اعمال سے تو یہ بھی ظاہر نہ ہوتا تھا کہ دوسروں کو جذبۂ جہاد پر کیسے ابھارا جاتا ہے؟ اور قربانی کے لئے کون سے لوازمات نہایت ضروری ہیں تاکہ اس جذبۂ عشق کو حاصل کیا جاسکے؟ اس کو تو یہ بھی علم نہ تھا کہ دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت کیسے بنا جاسکتا ہے اور ظاہریت میں کس طریقے سے شہرت حاصل کی جاسکتی ہے؟ اور اس کی بلندیوں تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟

وہ ایک ایسا نوجوان تھا جو ہر بات کو اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپائے اور اپنے جذبۂ عشق کی آبیاری عجب سرمستی کے عالم میں کر رہا تھا اور جب وقت آیا تو اس نے دیوانہ وار اپنی جان کی قربانی پیش کر کے مسلمانانِ عالم کو بالعموم اور مسلمانانِ برصغیر کو یہ سبق دیا کہ قربانی کے اصول اسماعیل علیہ السلام کیا ہیں؟ اور کیسے بارگاہ ایزدی اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ میں سرخروئی پا کر شہادت کی عظیم ترین بلندی پر پہنچا جاسکتا ہے اور پھر عظمت کی بلندیاں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اس نے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی اس شعر کی زندہ تفسیر دنیا کے سامنے پیش کی:

عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں نے

پھر عشق بھی وہ جو خالصتاً حضور خاتم الانبیاء، آقائے دوجہاں، محسن انسانیت، حضور نبی کریم ﷺ ہو، جس کے بغیر مسلمان نہ تو مسلمان کہلا سکتا اور نہ ہی مومن کیونکہ یہی عشق ایمان کی بنیاد ہے اور جس کا من ایمان حقیقی سے خالی ہو وہ مسلمان اور ایمان والا کہلا

ہی نہیں سکتا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے عشق کے مرجھائے ہوئے اس پودے کی اپنے خون سے آبیاری کی جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے پروان چڑھایا تھا اور جو فرنگیوں' یہودیوں' نصاریٰ اور کفار کی ریشہ دوانیوں کے جال تلے پھنسے ہوئے نامی گرامی مسلمانوں کے ہاتھوں نہ صرف مرجھا چکا تھا بلکہ اپنے دمِ آخری کے لئے بمشکل سانسیں لے رہا تھا۔

یہ بات روزِ اول کی طرح روشن اور واضح ہے کہ باغی کا وجود کوئی بھی معاشرہ قبول نہیں کرتا۔ کسی بھی معاشرے کی سلامتی کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ اپنے وجود پر حملہ آور ہونے والی شخصیت کا خاتمہ کر کے اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ چنانچہ اسلامی معاشرے اور ریاست کا بھی یہی قانون ہے کہ جو اس معاشرے کے سربراہِ اعلیٰ' رحمت اللعالمین' حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کو تنقید کا نشانہ بنائے تو معاشرے کی سلامتی کے لئے اس شخص کو واصل جہنم کر دیا جائے اور اس کو قیامت تک کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا کہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے گا اس کا انجام یہ ہوگا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جس نے یہ ثابت کر دیا کہ حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام عابدوں' زاہدوں کا دل ہی نہیں ہے بلکہ یہ ان افراد کے لئے سب سے افضل وارفع ہے جن پر رحمت اللعالمین' سیّد الانبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم ہو جائے اور اس کے اندر چھپے ہوئے جذبہ عشق کو جلا بخش کر پوری کائنات کو منور اور حیران کرتا ہوا اپنا نشان ہمیشہ کے لئے چھوڑ جائے اور یہی وہ جذبہ ہے جس کے بارے میں ارشاد ربانی ہوتا ہے:

''جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں' انہیں مردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہیں لیکن تمہیں خبر نہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"(کہہ دیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اطاعت کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔"

وہ شخص جسے اللہ عز وجل نے عقل و فہم سے نوازا ہے اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا بھر کی تمام چیزوں حتیٰ کہ ماں، باپ، اولاد، عزیز و اقارب سب کی محبت پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو فوقیت دے تاکہ وہ مرتبہ مومن کو پا سکے۔ اللہ عز وجل تم پر رحم فرمائے اور جان لو کہ اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے احکامات پر عمل پیرا ہوا جائے اور یہی بات باعث بخشش و نجات ہے۔

قرآن مجید میں فرمانِ الٰہی کچھ یوں ہوتا ہے:

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! فرما دیجئے) اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا خاندان اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ مال جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو سیدھا راستہ نہیں دکھاتا۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں، جس میں وہ پائی گئیں اس نے ایمان کی حلاوت پا لی۔ اول اللہ عز وجل

اور مجھ سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت سارے جہان سے زیادہ ہو۔ دوم جو کسی کو اللہ عزوجل کے لئے اپنا محبوب بنائے اور سوم وہ شخص جسے اللہ عزوجل نے کفر سے نجات عطا فرمائی اور وہ دوبارہ کفر میں لوٹنا ایسے ہی برا سمجھتا ہو جیسے وہ خود کو آگ میں ڈالنا برا سمجھتا ہو۔

جب بندہ اس حقیقت کو جان لیتا ہے کہ حقیقی کمالات صرف اللہ عزوجل ہی کے لئے ہیں اور مخلوق کے کمالات بھی اصل میں اللہ عزوجل ہی کے کمالات ہیں اور اللہ عزوجل ہی کے عطا کردہ ہیں تو اس کی محبت اللہ عزوجل کے ساتھ اور اللہ عزوجل کے لئے خالص ہو جاتی ہے اور پھر یہ اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ بندہ اللہ عزوجل کی اطاعت کرے اور وہ جن باتوں کا اقرار کرتا ہے ان کاموں سے اس محبت میں زیادتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ محبت کو اطاعت کے ارادوں کا نام دیا گیا ہے اور اس کو عبادتِ الٰہی میں خلوص اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

حضرت وہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل سے محبت کی علامت قرآن حکیم کی محبت ہے اور اللہ عزوجل اور قرآن کریم سے محبت کی علامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت سنت سے محبت ہے اور سنت سے محبت کی علامت آخرت کی محبت ہے اور آخرت کی محبت کی علامت دنیا کا بغض ونفرت ہے اور دنیا سے بغض ونفرت کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے صرف اس قدر لے جو آخرت کے لئے زادِ راہ بن سکے۔

دنیا بھر میں یوں تو کئی اخلاقی اور مادی جرائم ہوتے رہتے ہیں جن کی بیخ کنی کرنے کے لئے حکومتیں کوشش کرتی رہتی ہیں کہ عدل وانصاف کے نظام کو مضبوط کیا جائے اور اگر کسی بھی مجرم کو بروقت قانون کے تقاضے پورے کر کے سزا نہ دی جائے تو وہ معاشرہ ظلم وتشدد کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ قانون جس سے مجرم کو بچایا جائے وہ قانون باعث تشدد ہوتا ہے۔ دنیا میں بھر میں روزِ اول سے جس جرم کو سب سے زیادہ سنگین قرار دیا گیا ہے وہ قانون کسی کی بھی عزت اور ناموس کا قانون ہے۔

دنیا میں ہر انسان کو اپنی عزت سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اور وہ اپنی عزت کی

حفاظت کے لئے کسی بھی بڑی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ یہی حال اس شخص کا بھی ہوتا ہے جو کسی چیز کو جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہو وہ اس چیز کی گستاخی کو کبھی بھی برداشت نہیں کرتا۔ وہ شخص اس چیز کے لئے، اس ہستی کے لئے جس کی عزت اور ناموس پر حرف اٹھایا جائے اپنی جان دینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس شخص کا رابطہ اس ہستی سے ایسا ہوتا ہے جیسے وہ اس کی روح اور جان کا ایک حصہ ہو۔

بحیثیت مسلمان ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیاوی اور مادی چیزوں کی بجائے اپنے مذہب اسلام کی ناموس اور عزت کے لئے قربانی سے دریغ نہ کریں اور اگر کوئی بھی شخص ہمارے مذہب اسلام اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی ناموس اور عزت کو کسی بھی شکل میں تنقید کا نشانہ بنایا تو اپنے دین اور نبی کریم ﷺ کی عزت اور ناموس کی حفاظت کے لئے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی عزت اور ناموس کو تنقید کا نشانہ بنانے والوں اور ان کی ذاتِ بابرکات کی توہین کرنے والوں کے بارے میں اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر وعید کہی ہے اور توہین رسالت کے مرتکب کے لئے بڑے سخت عذاب کا اعلان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> ''بے شک! جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول (ﷺ) کو تو لعنت ہے ان پر اللہ عزوجل کی، دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے اللہ عزوجل علیہ نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

ایک اور موقع پر اللہ عزوجل نے واضح الفاظ میں ایسے لوگوں کے لئے جو گستاخی رسول اللہ ﷺ کے مرتکب ہوتے ہیں کے لئے دردناک عذاب کی وعید کا اعلان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> ''اور جو رسول اللہ (ﷺ) کو تکلیف دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

ان وعید الٰہی کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ توہین رسالت ﷺ ایک

سنگین جرم ہے جس کی معافی اللہ عزوجل کے دربار میں نہیں اور اس کی سزا دردناک عذاب ہے۔ جو شخص توہین رسالت ﷺ کا مرتکب ہوا اگرچہ وہ دنیا کی نظر میں کتنا ہی معتبر' ایمان دار اور نیک ہی کیوں نہ ہو اس کے لئے اللہ عزوجل کی طرف سے دردناک عذاب کی وعید سنا دی گئی ہے جو کہ دنیا اور آخرت دونوں میں اس پر نازل ہوگا۔ عموماً حضور نبی کریم ﷺ کی ناموس پر حملہ کرنے والے لوگ معاشرے میں اپنی شرافت اور ایمانداری کی وجہ سے معززین میں شمار ہوتے ہیں لیکن موقع ملتے ہی حضور نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں نازیبا الفاظ اور نازیبا حرکات کے ذریعے ناموس رسالت ﷺ پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

ولید بن مغیرہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے آپ ﷺ کو مجنون کہا تو اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

''اے میرے محبوب! آپ (ﷺ) ہرگز مجنون نہیں۔''

اس کے بعد اللہ عزوجل نے ولید بن مغیرہ کی گندی کرتوتوں کا ذکر کیا اور فرمایا:

''ولید ولدالزنا ہے۔''

جب اللہ عزوجل کے اس فرمان کی لوگوں نے تصدیق کی تو پتہ چلا کہ واقعی ولید بن مغیرہ کی پیدائش ولدالزنا ہے۔

اسی طرح جب شہنشاہ ایران خسرو پرویز کو حضور نبی کریم ﷺ نے دین اسلام کی دعوت دیتے ہوئے خط لکھا تو خسرو پرویز نے وہ خط پھاڑتے ہوئے آپ ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ کہے۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرومیہ نے قتل کر کے واصل جہنم کیا۔

حضور نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کا جب وصال ہوا تو اس موقع پر عاص بن وائل نامی ایک کافر نے آپ ﷺ کو ''نامراد'' ہونے کا طعنہ مارا۔ اللہ عزوجل نے اس کے طعنے کی وعید میں سورۂ کوثر نازل فرمائی جس میں حضور نبی کریم ﷺ کو حوض کوثر عطا فرمائی اور اس کے فضائل و برکات کے بارے میں آگاہ کیا۔ چنانچہ اس واقعہ

کے کچھ عرصہ کے بعد عاص بن وائل نامی وہ کافر ہلاک ہو گیا اور اس کی اپنی نسل کا نام و نشان اس دنیا سے مٹ گیا۔

ابتدائے اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوہِ صفا پر اپنے خاندان کو اکٹھا کر کے دعوتِ توحید دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب نے گستاخی کرتے ہوئے کہا کہ تو برباد ہو جائے کہ تو نے ہمیں یہی سنانے کے لئے جمع کیا تھا؟ اللہ عزوجل نے ابولہب کی اس گستاخی پر وعید کا اعلان کرتے ہوئے سورۂ لہب کا نزول فرمایا۔ اللہ عزوجل نے سورۂ لہب میں واضح طور پر اعلان کیا کہ

''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو۔''

نتیجتاً غزوہ بدر کے ایک ہفتہ بعد ہی ابولہب ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا اور اس کی لاش بغیر کفن دفن کے تین دن تک پڑی رہی اور اس میں سے بدبو آنا شروع ہو گئی۔ قبیلہ والوں نے مزدوروں سے کہہ کر اس کی لاش کو ایک گڑھے میں پھنکوا دیا اور اس کے اوپر مٹی ڈلوا دی۔ اسی طرح ابولہب کی بیوی بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دیتی تھی۔ اللہ عزوجل نے اس کے بارے میں وعید کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

''ایک دن کانٹوں کے بوجھ تلے لادی جائے گی۔''

چنانچہ فرمانِ الٰہی کے مطابق ایک دن کانٹوں کا بوجھ لاتے ہوئے راستے میں کھجور کی چھال کا رسہ گلے میں پھنس جانے کی وجہ سے ہلاک ہو گئی۔

ان تمام واقعات کو بیان کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ جیسے کسی بھی انسان کی عزت اور ناموس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں تو ناموسِ رسالت کی توہین اس سے بھی بڑا اور سنگین جرم ہے۔ یہ جرم ایسا جرم ہے جو کہ معاشرہ میں فساد کو جنم دیتا ہے اور اس دنیا میں امن و سلامتی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ کفار کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہی یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ کا استعمال کرتے تھے لیکن تاریخ اس بات پر گواہ

ہے کہ ان کا انجام انتہائی عبرت ناک ہوا جنہوں نے یہ نازیبا حرکات وکلمات کہے۔ اللہ عزوجل نے بنی نوع انسان کے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے اور یہ مذہب ہمیں بوساطت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کیا گیا ہے۔

جو شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو شریعت کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور ان پر الزام تراشی کا مرتکب ہوگا تو اس کی اس حرکت کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ وہ اس منصب کی توہین کر رہا ہے جو منصب اللہ عزوجل نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے اور وہ اللہ عزوجل کے قانونِ قدرت سے انحراف کرتے ہوئے بغاوت کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا گستاخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے بارے میں قول ہے:

"اگر تم گستاخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے جواز کے باوجود اس کو قتل نہیں کرو گے تو یہ حد درجہ رسوائی اور تحقیر کی بات ہوگی۔"

رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پوری انسانیت کے لئے ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیج کر اس کائنات پر اپنا سب سے بڑا فضل اور احسان فرمایا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی' ان کا رہن سہن' ان کے اقوال تمام دنیا کے انسانوں کے لئے ایک بہترین نمونہ ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت ایک راہنما اللہ عزوجل کی مخلوق کو نیکی اور بدی میں تمیز کرنی سکھائی۔ امیر و غریب کا فرق مٹایا۔ ذات پات کے فرق کو ختم کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت راہنما وہ فیصلے کئے جو کہ کسی بھی عام انسان کے لئے ممکن نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ذلیل وخوار کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت بلال رضی اللہ عزوجل عنہ جیسے غلام کے مراتب کو بیان کر کے کالے اور سفید کا فرق ختم کیا۔ لوگوں کو پیار ومحبت' احسان وایثار' خیر واخوت' عدل وانصاف کا درس دیا۔ عدل وانصاف کے ستونوں کو مضبوط کر کے ان جھوٹے دعوے داروں کی حوصلہ افزائی کی جو کہ انسانی حقوق کے جھوٹے علمبردار تھے۔

آپ ﷺ نے انسانوں کو بھائی چارے کا درس دیا۔ ان کو ایک دوسرے کے ادب و احترام کا پیغام دیا۔ انسانوں کو آدابِ حیات سکھائے کہ اچھی زندگی گزارنے کے لئے معاشرے سے نفرتوں اور کدورتوں کا دور ہونا ضروری ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکت عملی طور پر انسانی حقوق کی علمبردار تھی۔ احادیث مبارکہ اور کتب سیر میں جابجا آپ ﷺ کے اخلاق و آداب کا ذکر ہے۔ قرآن مجید آپ ﷺ کے اخلاق کا گواہ ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے!

''اور تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی ہی سب سے بہترین اسوۂ حسنہ ہے۔''

قرآن مجید وہ کتاب ہے جو ہمیں حقیقی جمہوریت کا راستہ دکھاتی ہے۔ انسانوں کو مختلف طبقات سے نکال کر برابری کے حقوق کا راستہ دکھاتی ہے۔ قرآن مجید کے آئین میں کسی کو خاص مراعات حاصل نہیں۔ قرآن مجید کی تعلیمات کی رو سے ہر انسان برابر ہیں اور ان میں سے کسی کو اخلاقیات کے سوا کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ اس بارے میں حضور نبی کریم ﷺ کا وہ فرمانِ عالیشان ہے جو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''تم میں سے کسی گورے کو کسی کالے اور کسی کالے کو کسی گورے پر اور کسی عربی کو کسی عجمی اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور اگر کسی کو فضیلت حاصل ہے تو وہ اس کے تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔''

اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اقوامِ متحدہ کے چارٹر میں انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے جو قانون مرتب کئے گئے ہیں وہ سب ہی حضور نبی کریم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے چارٹر میں جو قوانین ہیں وہ اسلام و قرآن کے اخذ کردہ قوانین ہیں اور یہ غیر مسلموں کا وہ دوغلا پن ہے کہ ایک طرف تو وہ قرآن اور اور اسلام کے وضع کردہ اصول وضوابط کو اپناتے ہیں اور دوسری طرف اسلام اور

مسلمانوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انسانی زندگی گزارنے کے لئے جو رہنما اصول مذہب اسلام نے وضع کئے ہیں وہ کسی اور مذہب میں نہیں ملتے۔ غیر مسلموں خاص طور پر یہودی اور عیسائی جو بظاہر تو مذہب اسلام اور حضور نبی کریم ﷺ کی ذات سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں لیکن وہ خود رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور مذہب اسلام کا مجموعہ قوانین قرآن مجید سے اپنے لئے رہنما اصول مرتب کرتے ہیں۔ اسلام کے بے شمار قوانین جن میں طلاق' نکاح' وراثت میں عورتوں کا حصہ اور ایسے ہی بے شمار قوانین جو قرآن اور سنت کی روشنی میں بیان فرمائے گئے ہیں ان کو اپنائے ہوئے ہیں۔ ان تمام باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان کفار کی آنکھوں پر صرف تعصب کی پٹی بندھی ہوئی جس کی وجہ سے یہ انسانیت سے گری ہوئی حرکتیں کر کے مسلمانوں کی دل آزاری کا سبب بنتے ہیں۔

اب تک کی بیان کی گئی تمام باتوں کا مقصد اور حاصل یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی محبت ہر چیز سے مقدم ہے اور ایمان کی دلیل یہی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جس دل میں اللہ عزوجل اور حضور نبی کریم ﷺ کی محبت ہوگی اس کے دل میں ہر اس چیز کی محبت ہوگی جسے حضور نبی کریم ﷺ پسند فرماتے ہوں گے اور یہی ایمان کی حقیقت ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ سے محبت غیر مشروط محبت ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں کسی بھی صحابی رسول ﷺ کو اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ آپ ﷺ کی جانب نگاہیں اٹھا کر بھی دیکھ سکے اور نہ ہی آپ ﷺ کی نشست پر تشریف فرما ہو چکے۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو بغض و عداوت رکھے گا یا پھر توہین و بے ادبی کرے گا وہ ایمان سے محروم ہوگا اور اللہ عزوجل و رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہ ہوگا۔

حالات وواقعات

کتب تواریخ کے مطالعے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا زوال اس دن سے شروع ہو گیا تھا جب مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات ہوئی تھی۔ مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد وہ لوگ تخت نشین ہوئے جو اپنے اسلاف کے کارناموں کو بھلا کر عیش کی زندگی میں مشغول تھے۔ مسلم حکمرانوں کی اس عیش کی زندگی کو دیکھتے ہوئے عیسائی اور یہودیوں نے مل کر ایسی سازش کرنا شروع کر دی جس سے وہ برصغیر پاک و ہند کے عوام بالخصوص مسلمانوں کو دبانا شروع کر دیا۔ ان لوگوں نے ہر وہ حربہ استعمال کیا جس سے مسلمانوں کی سیاجی، سماجی اور معاشرتی زندگی کو ناکارہ بنا دیا جائے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے ذہنوں میں اس حد تک گھر کر لیا کہ ان کے اسلامی عقائد اور وہ قوانین جن کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً پندرہ سو سال پہلے واضح کر چکے تھے ان میں واضح شگاف ڈال دیا اور ان کے ذہنوں میں بدعقیدگی پیدا کر دی۔ مسلمان غلامی کے اندھیروں میں بھٹک کر دین اسلام کی روشنی سے محروم ہو چکے تھے۔

برصغیر پاک و ہند میں جب مسلمانوں کے زوال کی داستان کا مطالعہ کیا جائے تو دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔ مسلمانوں کے زوال کی داستان میں اہم کردار اغیار کی بجائے اپنے ہی لوگوں کا ہاتھ نظر آتا ہے جو شروع ہی سے دین اسلام کے در پے رہے ہیں اور ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منافق کہا ہے۔ دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کے صحیح عقائد کو کاری ضرب لگاتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ دین اسلام واقعات اور داستانوں کا مجموعہ ہے۔ ان غیر مسلموں کی راہ ہموار کرنے اور ان کے نظریات کو فروغ

دینے کے لئے مسلمانوں میں موجود ان منافقین نے اہم کردار ادا کیا۔ ان منافقین نے ہی ان غیر مسلموں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی دین اسلام انسانیت کے زوال کا سبب ہے۔ ان منافقین نے ان غیر مسلموں کو یہ باور کروا کر ان کے لئے سیاسی، سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں کا سبب پیدا کیا۔

تاریخی لحاظ سے برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے زوال کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد سے مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر تک کا ہے اور دوسرا حصہ اورنگ زیب عالمگیر سے بہادر شاہ ظفر تک۔ ان دونوں حصوں میں پہلا حصہ وہ ہے جس میں دین اسلام کو کسی حد تک فروغ ملا اور مسلمان برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے تک پھیلے جبکہ دوسرا حصہ وہ ہے جہاں پر مسلمانوں کو ان کے اندر ہی موجود دیمک نے اس طرح چاٹ لیا کہ وہ اغیار کے غلام ہو گئے اور ان کے ظلم و ستم کے آگے خاموش تھے۔ وہ مسلمانوں جو جہاد کو سینے سے لگایا کرتے تھے وہ مسلمان آج تلوار کی جھنکار سن کر گھبرا جایا کرتے تھے۔

یہودی ایک ایسی قوم ہے جو روزِ اول سے ہی مسلمانوں کی شدید دشمن چلی آرہی ہے اور جس کا مطمع نظر ملت ابراہیمی کا ہر لحاظ سے شیرازہ بکھیر کر دنیا میں ابلیس اور اس کی ذریات کا ڈنکا بجانا ہے۔ اہل یہود جو اپنی ابتداء سے ہی انبیاء کرام علیہم السلام کے دشمن چلے آرہے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات میں تحریف و بیخ کنی کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں اور جس طرح اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکیدار کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو مسخ کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کا فریضہ انجام دینا اس قوم کی عادت ثانیہ بن چکا تھا۔ اس یہودی قوم کے زیر سایہ جنم لینے والی نئی قوم جو عیسائیت کی علمبردار اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والی کہلاتی تھی اور جس نے انجیل کی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر وحدانیت کی بجائے تثلیث کا فریضہ ادا کرنے کا کام اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ اس نے بھی اپنے پیش رووں یہود کے زیر اثر اسلام سے بیزاری اور اس کی تعلیمات سے لوگوں

کوانحراف کرنے کا فریضہ اول انجام دینے کا بیڑہ اور عزم صمیم اٹھا رکھا تھا۔اس لئے اس نے ہر وہ حربہ اختیار کر رکھا تھا جس سے مسلمانوں کے اذہان کو ان کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بذریعہ خیالات وعبادات گمراہ کرنا تھا اور ہر انسان کو باور کرانا تھا کہ قرآن پاک (نعوذ باللہ) کسی نبی پر اتری ہوئی الہامی کتاب نہیں بلکہ ایک امی شرپسند (نعوذ باللہ) شخص کی ہرزہ رسائی پر مشتمل ایک شاہکار ہے۔اسی نقطہ نظر کے زیر اثر جب یہ عیسائی دنیا کے بیشتر علاقوں پر قابض ہو گئے اور انہوں نے ہندوستان میں بھی اپنے قدم جمانے شروع کئے تو انہیں اپنے آپ کو مضبوط کرنے اور برصغیر سے اسلامی تعلیمات کا جنازہ نکالنے کے لئے یہاں کے قدیم باشندوں ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملانا پڑا اور ان کے ساتھ مل کر انگریز قوم جو کہ ایک فاتح قوم تھی نے اپنی پرانی روایات کے مطابق مفتوحہ قوموں کے ساتھ بالعموم اور مسلم قوم کے ساتھ بالخصوص انتہائی انسانیت سوز سلوک کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا اور وہی طرز عمل اختیار کیا جو بوقت فتح غرناطہ سپین میں دھرایا گیا تھا۔

اس نازک اور پرفتن دور میں بعض مردانِ حر حفظ نشیمن وایمان کے لئے کوشاں رہے۔ان میں ارسلان فتح علی خان اور نواب سراج الدولہ کا کردار ناقابل فراموش ہے لیکن یہاں بھی اغیار کی نسبت ان میں پیوستہ خنجر غداری ہی کام آیا اور اپنوں نے جس قسم کا کردار ادا کرتے ہوئے اغیار کے عزائم پورے ہونے میں مدد دی وہ تاریخ کا ایک حسرت انگیز باب ہے۔نواب سراج الدولہ کے بعد سلطان ٹیپو شیر میسور کی شیر دلی کا تماشا اپنوں نے لگایا اور جس برے طریقے سے اسے اغیار کی چیرہ دستیوں کا نشانہ بننے کے لئے اپنوں نے کردار ادا کیا۔اس پر آج بھی تاریخ پاک و ہند نوحہ کناں ہے اور یہی وہ المیہ ہے جہاں سے برصغیر میں شجر اسلام کی جڑ کی بیخ کنی کی ابتداء ہوئی۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد دین اسلام کا آخری چراغ بھی گل ہو گیا اور انگریز فاتحین نے مفتوحہ قوم کے ساتھ نہایت انسانیت سوز سلوک کیا جس پر تاریخ کے اوراق بھی خون کے آنسو روتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے جشن آزادی کو انگریزوں نے دہلی میں جس طرح منایا اس کے

مناظر خونچکاں پڑھ کر جسم و جاں اور روح تک لرز جاتی ہے۔ عارف بٹالوی ''تاریخ مسلم لیگ'' میں بیان کرتے ہیں کہ بہادر شاہ ظفر کے دو شہزادے مرزا مغل اور مرزا خضر اور تیسرا ان کا پوتا ابوبکر یعنی مرزا فتح الملک مرحوم کا بیٹا ہمایوں کے مقبرے میں چھپے بیٹھے تھے کہ فاتح کرنل ہڈسن نے آ کر انہیں گرفتار کیا شہزادے سائبان والی گاڑی میں مقبرے سے باہر نکلے' شہزادوں کے ساتھی بیل گاڑی کے پیچھے پیچھے تھے اور ہڈسن کا فوجی دستہ ان سب کی نگہبانی کر رہا تھا' راستے میں ہڈسن پر خون سوار ہو گیا' وہ گھوڑا دوڑا کر بیل گاڑی کے سامنے آیا اور بیل گاڑی روک کر شہزادوں کو حکم دیا باہر نکل آؤ۔ وہ باہر نکل آئے اور پھر حکم ہوا کہ لباس اتار دو۔ انہوں نے لباس اتار دیا ہڈسن نے کہا' اے لوگو! اب ان کا انجام دیکھو! یہ الفاظ دہراتے ہی اچانک چہار جانب سے گولیاں چلیں اور آن کی آن میں سب کو قتل کر دیا گیا۔ پہلی گولی خود ہڈسن نے اپنے ہاتھ سے چلائی اور شہزادے ''ہائے دھوکہ'' کہہ کر زمین پر گرے اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ ان کی لاشیں تین روز تک کوتوالی کے چبوترے پر پڑی رہیں پھر ان لاشوں کو لٹکوا دیا گیا۔ دہلی کے آس پاس جتنے شہزادے ملے' انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق ان کی تعداد انتیس تھی' ان میں بیمار بھی تھے اور کم سن بھی' ان سب کو پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ جن عورتوں نے کبھی گھر سے باہر قدم نہ رکھا تھا انہیں دربدر پھرنا پڑا' انہیں رسوا کیا گیا غیرت مند عورتوں نے کنوؤں میں گر کر جان دے دی' بعض کنوؤں میں اس قدر عورتیں گریں کہ دوسروں کے لئے جگہ نہ رہی۔

انگریزوں نے جنگ آزادی کے اس معرکے کو غدار کا نام دے کر اس پر بغاوت کی مہر ضبط کر دی اور پھر اس کی آڑ میں ستم ہائے ستم کا لامتناہی سلسلہ دراز کر دیا' دوسری طرف ہندو جو ہزار سال سے مسلمانوں کے زیر سایہ پل رہا تھا' اس نے اپنی شاطرانہ اور مکارانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا اور بجائے اس تحریک میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کے اس نے دہری چال چلنی شروع کی اور اپنی روایتی چاپلوسی سے انگریزوں کو نہ صرف رام کر لیا بلکہ اپنے اندر یہ بات بٹھالی کہ مسلمانوں سے چھٹکارے کے بعد انگریز کی غلامی سے بھی کس طرح چھٹکارا

پایا جاسکتا ہے، دوسری طرف مسلمانوں نے اس ابتلاء کے دور میں غیر دانش مندی سے کام لیتے ہوئے ہندوؤں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا جس نے جلتی پر تیل ڈالنے کا کام کیا اور اسی طرح جنگ آزادی کی انتہاء مسلمانوں پر مظالم کی ابتداء بن گئی۔ عیسائیت کے اس استعمار نے مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو گہری نیند سلانے اور ان کے عقائد سے گمراہ کر کے مرتد بنانے کے لئے بڑے بڑے قدیم و جدید نسخہ ہائے فریب استعمال کئے۔ ایک طرف اس نے جعلی دعوے دار نبوت پیدا کئے تو دوسری طرف جھگڑالو اور چند ٹکوں پر بک جانے والے ملاؤں کو اپنے جال میں پھنسا کر ان سے اپنے حق میں فتوے حاصل کئے اور اس طرح اپنے پنجہ استبداد کو اور تقویت بخشی، اس سے عیسائیت کی تلوار کو یوں بھی تقویت ملی کہ ان فساد فی الارض ملاؤں کے ذریعے مسلمانوں میں فرقہ پرستی کی ایک لازوال تحریک پھیلادی تاکہ مسلمان اصل مقصد سے ہٹ کر آپس میں الجھ کر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں اور خود ہی اپنی بنیادوں پر کاہری ضرب لگا کر اپنے اصلی مسلک ''حب رسول'' اور ''اطاعت الٰہی'' سے ہمیشہ کے لئے متنفر ہو کر دور ہوتے چلے جائیں اور اس طرح ان میں سچی مسلمانیت اور مومنیت ختم ہو کر رہ جائے۔ دوسری طرف ہندو اپنی چاپلوسانہ اور خوشامدانہ پردازیوں سے اس موقعہ کی تاک میں رہا کہ کب اسے موقع ملے اور وہ اپنے پر پرزے نکال کر اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب ہو اور برصغیر سے نہ صرف مسلمانوں کا خاتمہ کر سکے بلکہ عیسائی استعمار سے آزادی حاصل کر کے برصغیر کو ''شدھ بھارت'' بنا سکے۔

کانگریس کا قیام:

ایسے میں ۱۸۸۵ء میں وہ موقع آیا جب پس پردہ جاری سازش کو پروان چڑھانے کے لئے اکابر ہندوؤں نے کانگریس کی بنیاد رکھی جس کے مقاصد روز اول سے محدود سے لامحدود تر ہوتے چلے گئے اور گرگٹ کی طرح اپنا رنگ اور چولا بدلتے رہے، دوسری طرف مسلمان جو ابتداء اسلام ہی سے آزادی پسند ہے اس نے کانگریس کے حقیقی مقاصد کو جانے بغیر اس میں دھڑا دھڑ شرکت کر کے اس کو بے پناہ تقویت بخشی کانگریس کے

ہندو لیڈروں نے اپنا سازشی چغہ بدلا اور ایک نیا شوشہ ہندو مسلم اتحاد کا چھوڑا جس نے ایک علیحدہ تحریک اختیار کر کے بہت زور پکڑا اور اسی تحریک کے زیر اثر محمد علی جناح کو "پیغمبر اتحاد" کا خطاب ملا اس طرح عیسائی استعمار یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ برصغیر کو آزادی کس طریقے سے عطا کی جائے۔ دوسری طرف ہندوستانی لیڈروں نے پس پردہ یہ فیصلے بھی کیے کہ مسلمانوں کو سیاسی میدان میں کس طرح دبا کر رکھا جائے اور اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ کس طرح پہنایا جائے تاکہ برصغیر کو مسلمانوں کے وجود سے مکمل پاک کیا جا سکے۔

اس بات سے قطع نظر کہ اس سارے معاملے کے مسلمانوں کی بدقسمتی یہ تھی کہ بڑے بڑے علماء نے حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے ہندوؤں کے عزائم کے آگے گھٹنے ٹیک دیے اور ان کی ہر جائز و ناجائز بات پر ہاں کہنے اور انگوٹھا تصدیق ثبت کر کے ان کی مکارانہ ذہنیت کو اور بھی جلا بخشی اور ہندوؤں نے بباطن اپنی اس ذہنیت کا رخ ہندو مسلم فسادات اور مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانے اور ان کے وجود مسعود کو ختم کرنے کی جانب موڑا اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے ظاہراً کانگریس جیسی معتدل تحریک نے مختلف النوع متعصّبانہ اور متشددانہ تحریکوں کو جنم دیا اور یوں اپنی منافقت کے پردے میں دہرا کھیل کھیلنا شروع کر دیا تاکہ مسلمان ہندوؤں کے ان مذموم عزائم سے بے خبر رہ کر خود بخود اس کے جال میں پھنستا چلا جائے اور اس کے لئے کوئی راہ مفر نہ رہے۔

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشین گوئی:

جس وقت انگریز اور ہندو نام نہاد اور دو ٹکے پر بک جانے مسلمانوں کے ذریعہ برصغیر سے اسلامی تہذیب کے ایک ہزار سالہ دور کے اثرات کو ختم کرنے اور مسلمانوں کا قلعہ قمع کرنے کے درپے تھے ایسے وقت مسلمان قوم کا پرسان حال کوئی بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ پوری قوم کا شیرازہ ہو چکا تھا۔ مسلمان ملاؤں کا ایک گروہ ان کے عزائم کو کھلم کھلا پورا کرنے کے لئے ان کا بھرپور ساتھ دے رہا تھا۔ ایسے میں ہندوؤں اور انگریزوں کے ان عزائم کو بھانپتے ہوئے اور ان کا صحیح ترین ادراک کرتے ہوئے جو شخصیت بانگ دہل دم خم ٹھونک

کرمیدان عمل میں اتری وہ شخصیت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی جنہوں نے نہایت پرشکوہ انداز میں انگریزوں اور ہندوؤں کو للکارا اور مسلمانوں کو با آواز بلندان کے عزائم سے آگاہی کا فریضہ سرانجام دیا۔انہوں نے بکاؤ ملاؤں کے طرزعمل سے بھی مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ وہ کس طرح انگریزیوں کے پٹھو بن کر مسلمانوں کو ان کے اپنے دین اور مذہب سے گمراہ کرنے کی سازش میں مصروف ہیں تاکہ اغیار اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہوکر برصغیر سے مسلمانوں کا وجود مسعود ہی ختم کرڈالیں۔انہوں نے ببانگ دہل خبردار کیا کہ تمام غیر مسلم ایک قوم ہیں خواہ وہ یہودی ہوں یا نصاریٰ یا ان کے ہم نوا ہندو، وہ سب ہی اسلام کے دشمن ہیں اوران پر کسی بھی قسم کا اعتماد کرنا قرآنی اصول کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔

ہندوؤں کی عادت:

ہندو جس کی عادت گدھ کی مانند ہے کہ مردار کھاؤ اور عیش اڑاؤ' وہ اسی عادت کے زیراثر مسلمانوں اور عیسائیوں کو لڑانے میں مصروف رہا اور خود ہر موقع پر مردہ گوشت نوچنے کے انداز میں فوائد حاصل کرتا رہا اور دن بدن پروان چڑھتا رہا۔اب ہندو ذہنیت نے ایک اور چوغہ بدلا اور منظم طریقے سے مسلم کشی کا آغاز کیا لیکن ان کی بدقسمتی سے ان کی یہ ذہنی بدنیتی بہت جلد آشکارا ہوگئی اور وہ اکابرین ملت اسلامیہ ان ''دم بریدہ سگانِ برطانیہ'' کے دندان آرسے پہلے ہی زخمی تھے' ہندو مسلمان کو چونکہ مٹانے پر تلے ہوئے تھے ایسے میں انہیں ہوش آیا اور انہوں نے مسلم تشخص کو برقرار رکھنے کا تہیہ کرلیا اور اسی کی روشنی میں ہندو مسلم اتحاد پارہ پارہ ہوکررہ گیا۔انیسویں صدی کے آغاز میں نواب سلیم اللہ خان ڈھاکہ کی مساعی سے مسلم لیگ کی بنیاد پڑی' ادھر جنگ عظیم اول نے برطانوی استعمار کو شدید ٹھیس پہنچائی اور آزادی کی تحریکوں نے انتہائی زور پکڑا اسی دور میں سول نافرمانی اور ترکِ حوالدت کی تحریکیں بامِ عروج پر پہنچیں اور ملک میں خون ریزی کا ایک نیا باب روشن ہوا' ابھی حالات طوفانی تہج تک پہنچے ہی تھے کہ دوسری جنگ عظیم نے برطانوی استعمار کو آزادی کا

اعلان کرنے پر مجبور کر دیا جس سے ہندوؤں کے خواب ادھورے رہ گئے۔ ہندو جو مسلمانوں کو راہِ راست سے ہٹانے اور پیغمبر اسلام سے نفرت کی بنیاد پر مختلف تحریکیں چلا رہے تھے کہ سب تحریکیں ناکام ہو گئیں۔ ہندوؤں نے ان تحریکوں کے دوران مسلمانوں پر ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑ رکھے تھے جن سے تاریخ کے اوراق بھی رنگین ہیں۔

سیاسی چالبازیاں:

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی شکست فاش کے بعد ایک ایسا سال ہے جب انگریزوں کی دغا بازی اور مکار فطرت کے ہاتھوں مسلمان اپنی سیاسی شان و شکوکت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اس برصغیر کا مقدر اپنوں کے ہاتھوں سے نکل کر فرنگیوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوا اور وہ پورے ہندوستان کے سیاہ و سفید کے ایسے مالک بنے کہ انہوں نے ساری تاریخ ہند کو ہی بدل کر رکھ دیا۔ انگریز فرنگی کے سامنے اس دور میں دو قومیں ہندو اور مسلمان تھیں جو عرصہ دراز سے سیاسی لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار تھیں' گو اس دور میں سکھ ایک اقلیتی حیثیت رکھتے تھے لیکن پھر بھی وہ سیاسی اعتبار سے مضبوط تھے' ایسے میں ہندوؤں نے انہیں اپنے ساتھ ملانے کا پروگرام بنایا اور انہیں خواتین کے ذریعے شادی کے رشتے میں پرو لیا اور اس طرح حتی الوسع کوشش کی کہ سکھوں کا علیحدہ سیاسی تشخص ختم ہو جائے اور وہ پوری طرح ہندو پلان کے زیر اثر محکوم رہیں اور مسلمان دشمنی میں ان کے حریف بننے کی بجائے حلیف بن کر فرنگی کا ساتھ دیں اور مسلمانوں کا اس برصغیر سے دیوالیہ کر کے نکال سکیں' اس کے علاوہ انہوں نے ہندو اقلیت شودروں کو بھی اپنی گرفت میں رکھا۔

اس سیاسی کشمکش کے حقیقی تناظر کو محسوس کرتے ہوئے فرنگیوں نے اس برصغیر پر لمبے عرصے کے لئے اپنی حکومت چلانے کا مستقل پروگرام بنایا' چونکہ انہوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھینا تھا' اسی لئے انہوں نے مسلمانوں پر ہندوؤں کو ترجیح دی اور انہیں اپنی چھتری تلے پناہ دی اور نت نئی مراعات سے نوازا' انہیں دفاتر میں اعلیٰ سے اعلیٰ جگہیں دیں جس سے انہوں نے تعلیم' تجارت اور صنعت کاری میں خوب ترقی کی اور سرکاری دفاتر میں

اپنی برتری میں بے پناہ اضافہ کیا اور اس طرح مسلمانوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہندو طبقے نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اسی غلبہ کے زیر اثر ہندو سرکشی اختیار کرتے ہوئے ہر مذموم سے مذموم حربہ مسلمانوں کے خلاف برتنے لگے۔ انگریزوں نے ان کا کھل کر ساتھ دیا اور مسلمانوں کی تہذیبی، تعلیمی درسگاہوں کو برباد کر کے انہیں ہر لحاظ سے محکومی کے شکنجے میں جکڑنے کی کوشش کی۔ دوسری طرف مسلمانوں نے اپنے تحفظ کے لئے اپنی اصلاح کی جانب توجہ بالکل نہ کی' بلکہ ذہنی تحفظ کے جال میں پھنس کر دمبدم بزدل ہو گئے اور اس جرأت رندانہ سے جوان کا عظیم الشان ورثہ تھا' اس سے مکمل ہاتھ دھو بیٹھے اور اپنے کلچر کی تباہی اپنے ہی ہاتھوں کروا بیٹھے اور ایک بھنگی چرسی کی مانند اپنے ہی تباہ شدہ کلچر کے مجاور بن کر حقیقت فطرت سے نہ صرف منہ موڑ بیٹھے' بلکہ ذلیلانہ حد تک اغیار کی ہر غلط پالیسی پر ہاں میں ہاں ملانے لگے اور مزید ذلتوں کے گڑھوں میں گرتے چلے گئے۔ ایسے میں انگریزوں نے ہر وہ کوشش کی جس سے مسلمانوں کا مذہبی' سیاسی' جغرافیائی تشخص تاریخی لحاظ سے بالکل پامال ہو جائے۔ انہیں مسلسل تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور مسلمان رعایا کا جینا حرام کر دیا گیا۔ دوسری طرف فرنگیوں کی شہ پر ہندوؤں نے اس سے بھی چار قدم آگے کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا اور مسلمانوں پر ہر لحاظ سے قافیہ تنگ کرنے میں فرنگی کا پورا پورا ساتھ دیا' نیز اپنی ہزار سالہ غلامی کے دور کا بدلہ لینے کے لئے مسلمانوں پر ہمہ اقسام کی پابندیوں کا اجراء کروایا' سرکاری دفاتر کے دروازے ان پر بند کروائے۔ تجارت اور صنعت وحرفت کے میدان پر قبضہ جمایا تجارتی منڈیاں اپنے قبضہ میں لیں اور اس طرح مسلمانوں کے لئے زندگی مشکل سے مشکل تر بنا دی۔

ہندوؤں نے فرنگی آقاؤں کی شہ پر یہاں تک اپنا تسلط جمایا کہ مسلمانوں کے لئے محض ذلت وخواری کے علاوہ کچھ بھی مقصود نہ رہا اور وہ بھوک وافلاس کے صحرا میں بھٹکنے لگے۔ ہر گلی محلے میں ہندوؤں کی دوکانیں چمکنے لگیں اور مسلمانوں کو ان کی مرضی تلے جینا پڑا' مسلمانوں کے پلے صرف چھوٹے چھوٹے محنت مزدوری والے کام ہی رہ گئے' اسی دور میں جب ہندو فرنگی گٹھ جوڑ مسلمانوں کو کچلنے میں مصروف تھا مسلمان اپنی نادانی کے ہاتھوں فرنگی کا

غلام بنا' فوج اور پولیس کی ملازمتوں میں اپنا سر اور جان کھپا رہا تھا اور اس کے اقتدار کی مضبوطی کے لئے ہر وہ قدم اٹھا رہا تھا جس سے اس کے آقاؤں کی حیثیت اقتدار دمبدم مستحکم ہوتی چلی جائے اور بدلے میں صرف دو وقت کے لقموں پر قناعت کرنی پڑے' دونوں عالمی جنگوں میں مسلمانوں کے اس کردار کی واضح مثالیں موجود ہیں جس سے فرنگی اقتدار دنیا میں سب سے کامیاب سلطنت میں متبدل ہوا اور فرنگی کا یونین جیک دنیا کی سلطنتوں میں سب سے زیادہ سربلند ہوا۔

عیسائیت اور اسلام کی آویزش:

جنگ آزادی ہارنے کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک ایسی جنگ کا آغاز ہوا جو جغرافیائی سرحدوں کی بجائے نظریاتی بنیادوں پر لڑنا پڑی۔ عیسائیت اور اسلام کی روز اول سے چلی آئی آویزش نے نیا رخ اختیار کیا اور ہندوؤں نے اپنی مکارانہ ذہنیت سے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ہندو عیسائی اتحاد سے یہ بات ناگریز نظر آنے لگی کہ کہیں ہسپانیہ کی طرح برصغیر سے بھی مسلمانوں کا نام ونشان نہ مٹ جائے لیکن شاید قدرت کو یہ منظور نہ تھا اور نہ صرف عیسائی بلکہ ہندو بھی اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے اور انہیں مجبوراً مسلمانوں کو بھی آزادی دینا پڑی کیونکہ ان کی تمام تر ذہنی' مادی' سیاسی' معاشرتی کوششیں ناکام ہوگئیں تھیں۔

مسٹر نیکلو نے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے چیئرمین تھے۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے مکمل قبضے کے بعد برطانوی پارلیمنٹ سے اس طرح خطاب کیا:

> ''قدرت نے ہندوستان کی وسیع سلطنت انگلستان کو اس لئے تفویض کی ہے کہ خداوند مسیح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک فاتحانہ لہرائے' ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی قوت صرف کر دے تا کہ تمام ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کا کام جاری رکھنے میں کسی وجہ سے کوئی رکاوٹ کھڑی نہ ہو سکے۔''

عیسائی مشنریوں کا قیام:

۱۸۵۷ء میں پارلیمنٹ برطانیہ کے حکم پر مسٹر نیکلز نے ایسٹ انڈیا کمپنی میں ایک کمیٹی قائم کی جس کا کام برصغیر میں عیسائی مشنریوں کا جال بچھانا تھا تاکہ اس کے تحت برصغیر سے اسلام کا نام ونشان مٹایا جا سکے اور مسلمانوں کو عیسائی بنا کر اپنی دائمی حکومت قائم کی جا سکے۔ اسی بناء پر انگریزوں نے ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کا جال بچھایا اور اس جال کے ذریعہ ہندوؤں کی نچلی ذاتوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہو گئے جبکہ مسلمانوں کے غریب اور مزدور پیشہ طبقوں میں انہیں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا' البتہ بعض آزاد پرست امراء کا طبقہ ان کے جال میں پھنس کر عیسائیت قبول کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس طرح وہی طبقہ مسلمانوں کو ان کے عقائد کی بنیادوں سے اکھیڑنے کے کام میں ہراول دستہ بنا۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی:

دوسری طرف ایک عیسائی سوسائٹی جس کا تعلق امریکہ سے تھا اور جو انتہائی تنگ نظر اور اسلام دشمن تھی اور جس کا کام ماسوائے اسلام کے دنیا کے تمام مقامی مذہبوں کو تقویت و پروان چڑھانا تھا' اس کو بھی برصغیر میں کام کرنے کی اجازت مل گئی' اس سوسائٹی کا نام تھیوسوفیکل سوسائٹی تھا۔ سوسائٹی کے زیر اہتمام چھپنے والے رسالوں میں ایک ایک حرف زہر سے بھرپور ہوتا اور ہر لفظ میں چھپی ہوئی آگ خرمن دل کو جلا دیتی' اس سوسائٹی نے ہر وہ حربہ برصغیر میں استعمال کیا جو اس کے سازشی ذہن کی پیداوار تھا' اس نے یہاں کے ہندوؤں کو یکجا کرنے اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لئے عملاً سرپرستی کی اور ہر موقع پر بھاری مالی امداد بھی مہیا کی اور اس طرح سلگتی ہوئی آگ پر تیل ڈال کر چنگاریوں کو شعلہ فشاں بنایا۔

ہندوؤں کو کھلی چھٹی:

جب انگریز مشنریز اپنے کام میں بری طرح ناکام ہو گئیں تو پھر اس دور میں

انگریزوں اور ہندوؤں کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کے تحت ہندوؤں کو کھلی چھٹی دی گئی کہ وہ مسلمانوں کا برصغیر سے مکمل خاتمہ کرنے اوران کو دوبارہ ہندو بنانے کا فریضہ انجام دیں۔اس مقصد کے حصول کے لئے ان کو کھلی چھٹی دی گئی اور کہا گیا کہ بظاہر تو انگریز حکومت قانون کے تحت قدم اٹھائے گی لیکن بباطن ان کا مکمل ساتھ دیتے ہوئے انہیں ہر قسم کی سہولیات بہم پہنچائے گی۔اس معاہدہ کے تحت ہندوؤں نے مندرجہ ذیل تحریکات کا آغاز کیا جوابتداء میں معمولی نوعیت کی تھیں لیکن بعد میں ان تحریکات سے بے پناہ فسادات وجود میں آئے کہ تاریخ کے صفات بھی کانپ اٹھتے ہیں۔ذیل میں ان تحریکات کو مختصر طور پر بیان کیا جارہا ہے جو کہ ہندوؤں کی گندی ذہنیت اور انگریزوں کی طرف سے کھلی چھوٹ کی مکمل پیداوار تھیں۔

۱۔تحریک بال گنگا دھر:

اس تحریک کا بانی ''بال گنگا دھر تلک'' ہے جو ۱۸۵۶ عیسوی میں مہاراشٹر کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوا۔اس کی پالیسی ہندومت کے احیاء کی جارحانہ پالیسی تھی۔وہ بھگوت گیتا کی تعلیمات کا پرچارک تھا اور سیوا جی کو قومی ہیرا جانتا تھا۔بال گنگا دھر نے بھگوت گیتا اور سیوا جی کی زندگی سے یہ اصول اخذ کئے کہ دشمن کو ختم کرنے کے لئے وہ تمام حربے استعمال کئے جائیں جو دھوکہ دہی پر مشتمل ہوں۔بال گنگا دھر کا کارنامہ مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانا اور گائے کی حفاظت کی انجمنیں قائم کرنا تھا۔اسی بنیاد پر مسلمانوں کے استحصال واحتساب کے لئے اس نے اکھاڑے اور لاٹھی کلب قائم کئے۔اسی طرح بال گنگا دھر نے گنپتی میلوں کا انعقاد کیا اور اس طرح کے میلوں میں مسلمانوں پر حملہ اوران کا قتل عام کرنا اوران کا مال لوٹنا معمول قرار دیا گیا۔

۲۔تحریک سنگھٹن:

اس تحریک کا آغاز ۱۹۲۳ء میں ہوا۔اس کا اصل قائد ''ڈاکٹر مونجے'' تھا۔ڈاکٹر

مونجے کے مطابق ہندوستان میں ۷۰ ملین مسلمان اور ۲۲۰ ملین ہندو آباد ہیں اور مسلمان ہندوؤں کے لئے شدید خطرہ ہیں۔ اگر ان کی رفتار اسی طرح بڑھتی گئی تو ساڑھے چار سو سال میں ہندوستان میں ایک بھی ہندو نہ رہے گا۔ اس لئے ہندوؤں کو اپنا دفاع کرنے کے لئے مسلح ہونا چاہئے۔ اس تحریک کے تحت ایسے مراکز قائم کئے گئے جہاں ہندو نوجوانوں کو ورزش و کشتی کے علاوہ جوڈو کراٹے' لاٹھیوں اور خنجروں کا استعمال سکھایا جاتا تھا تاکہ ہر ممکنہ طریقے سے مسلمانوں کا خاتمہ کر سکے۔ تقسیم ہند کے قاتلانہ دور میں اسی تنظیم کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے کیونکہ ہندوستان کے نزدیک مقاصد کی تکمیل کا واحد طریقہ تشدد تھا۔ ڈاکٹر مونجے کا قول تھا کہ تم اس وقت تک مسلمانوں کو ہندو بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ثابت نہ کر سکو کہ تمہارے جسموں میں جان ہے اور اس تحریک کو پروان چڑھانے کے لئے پردیال سنگھ نے اہم کردار ادا کیا۔ پردیال سنگھ کے نزدیک اس کی تشکیل کا مقصد آزاد ہندو ریاست کا قیام' ہندوانہ روایات کا اجراء کرنا' ہندو قومی لیڈروں کا احترام' ہندوؤں کے مقدس مقامات سے محبت اور ہندوؤں کی ثقافت سے لگاؤ تھا۔ نیز مسلمانوں کو غیر ملکی حملہ آور' ڈاکو' جرائم پیشہ اور ضرر رساں مخلوق قرار دیا گیا۔ مختصراً یہ کہ اس تحریک کا اصل مقصد مسلمانوں کو ڈرا دھمکا کر ہندو بنانا تھا۔ اگر یہ داؤ کارگر ثابت نہ ہو تو انہیں بزور شمشیر تہ تیغ کرنا تھا۔

۳۔ تحریک آریہ سماج:

اس تحریک کا بانی گجرات کا ایک برہمن ''مول شنکر'' تھا جو بعد میں سوامی دیانند سرسوتی کہلانے لگا۔ مول شنکر ابتدائی عمر میں بت پرستی کے خلاف ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ ایک غیر مصدقہ روایت کے مطابق یہ تھی کہ ایک مرتبہ اس کی اس موضوع پر بحث کسی مولوی سے ہوئی تھی جس سے اس کے نظریات میں تبدیلی آئی تھی اور اس نے اس تحریک کو بھی ''ہندومت کی اصلاح'' کی تحریک سے موسوم کیا اور اپنے آپ کو ایک ریفارمر کی حیثیت سے ہندوؤں کے سامنے پیش کیا تاکہ ہندوؤں کو توہم پرستی اور دیگر خلاف فعل رسومات سے روکا جائے اور انہیں مبلغین اسلام کی یلغار سے روکا جا سکے نیز نئے تعلیم یافتہ طبقے کی عقلیت

پسندی کو سراہا جائے کیونکہ وہ ان عقائد کے خلاف تھا۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی نے اس تحریک کو اپنے مقصد کے لئے مفید جانا اور اس کے پروان چڑھانے میں مالی و ذہنی تعاون مہیا کیا اور اس تحریک کے زیر اہتمام جابجا ہندو ذہنیت کے مظاہرے شروع ہو گئے۔ اس تحریک کو جلا بخشنے میں اس تحریک کے ایک لیڈر ''بنکم چندر چیٹر جی'' کے شاطرانہ ذہن کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا۔ بنکم چندر چیٹر جی ایک بنگالی مصنف تھا۔ اس شخص نے اپنا پہلا ناول ''انند ناتھ'' ۱۸۸۲عیسوی میں شائع کروایا جس میں ہندوؤں کی متعصبانہ ذہنیت کی روش کا بھرپور استعمال سامنے آیا۔ اس ناول کے ذریعہ اس نے کالی ماتا کے بچوں کو یہ ترغیب دی کہ اپنے وطن کو ناپاک مسلمانوں سے خالی کروائیں۔ اس ناول کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے کہ دھرتی ماتا کے بچے مسلمانوں کے گاؤں اور محلے لوٹ لیتے ہیں اور جب دھرتی ماتا کو ناپاک لوگوں سے پاک کرلیا جاتا ہے تو جنگ بند ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ ہندوؤں کو انگریزوں سے تعاون کا حکم دیتا ہے تاکہ وہ انگریزوں کی مدد سے دھرتی کو پاک صاف کر کے ان کی حکومت کو قائم کر سکے۔ یہی وہ ناول ہے جس میں ''بندے ماترم'' گایا گیا جس کو بعد میں ہندوستان کا قومی ترانہ بنانے کی سعی کو مسلمانوں نے بصد مشکل روکا۔ بنگلہ دیش کے قدیم پرانا ''سنہرا بنگال'' کا مصنف بھی یہی شخص تھا۔

۴۔ تحریک شدھی:

اس تحریک کی ابتداء آریہ سماج کے زیر اثر ہوئی تاکہ برصغیر کے تمام غیر ہندوؤں کو ہندو بنایا جائے اور اس مقصد کے لئے گائے کا پیشاب' گوبر' دہی' دودھ اور مکھن میں ملا کر کھلایا جاتا تھا اور اس آمیزہ کو پنج رتن کا نام دیا گیا ہے۔ اس تحریک کو پروان چڑھانے کا سہرا ''سوامی شردھانند'' کے سر ہے۔ ۱۹۲۰ء میں اس تحریک نے شدت اختیار کی اور یہ ہندوؤں کی سیاسی تحریک کا حصہ بنی اور ڈاکٹر مونجے جیسا منجھا ہوا سیاست دان اس کا براہ راست نگران مقرر ہوا لیکن ہندوؤں کی بدقسمتی سے یہ تحریک اپنے بھرپور نتائج پیدا کرنے میں ناکام رہی۔ شدھی تحریک کا مقصد تھا کہ تحریر و کتابت کے ذریعہ مسلمانانِ ہند کو ورغلانا اور

انہیں گمراہ کر کے ان کا خاتمہ کرنا تھا۔ شدھی تحریک کے زیر اہتمام یہ سازش سوچی گئی کہ تحریر و تقریر کے ذریعہ مسلمانوں میں قرآن پاک اور حضور رسول پاک ﷺ کے بارے میں مسلمانوں کے قلوب میں شکوک وشبہات پیدا کیا جائیں اور اس شدت سے یہ کام کیا جائے کہ مسلمان اپنے اصلی عقیدہ سے مکمل طور پر دلبرداشتہ ہو کر اپنے مسلمان ہونے سے باغی ہو جائے تاکہ بعد میں اسے اپنے جال میں پھنسا کر باقاعدہ ہندو بنایا جاسکے اور اس طرح برصغیر سے اسلام کا خاتمہ کیا جاسکے۔ اسی سلسلہ کی ایک مربوط کڑی کانگریس کے اجلاس منعقدہ ۱۹۲۲ء کی وہ قرارداد ہے جس کا متن تھا کہ بھارت میں گاؤ کشی قانوناً ممنوع ہوگئی۔ اس قرارداد کے تحت ایک طوفان بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوا اور ملک کے مختلف شہروں اور قصبات سے گمراہ کن رسائل اور کتب کی اشاعت کا آغاز ہوا جن میں انتہائی بے ہودہ اور ناشائستہ زبان استعمال ہونے لگی۔

مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی گھناؤنی سازش:

۱۹۳۵ء میں آریہ سماج کے بانی ''سوامی دیانند سرسوتی'' کی صد سالہ تقریبات منائی گئیں۔ اس میں ہندوستان بھر سے تمام نامور ہندو لیڈر جمع ہوئے اور انہوں نے مل کر ایک قرارداد منظور کی جس کا متن تھا:

> ''اسلام اور داعی اسلام کے خلاف شکوک وشبہات اور زہریلے لٹریچر کے ذریعے سیدھے سادھے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسا کر ہندو بنایا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ تمہارے آباؤ اجداد ہندو تھے اور اسلام دیار غیر سے زبردستی کا آیا ہوا مذہب ہے اور یہ ہر لحاظ سے بھگوان کی ناراضگی کا باعث ہے اور تمہاری فلاح اس میں ہے کہ تم دوبارہ ہندو بن کر رام اور بھگوان کے پرچارک بن جاؤ۔''

ابتداء میں اس قرارداد کے تحت صرف تحریر و تقریر سے کام لیا گیا۔ پھر دل آزار لٹریچر کی اشاعت کا کام شروع کیا گیا۔ بعدازاں کھلم کھلا طاقت کا استعمال شروع ہوا۔ پھر

آخری چارہ کے طور پر اس قرارداد کے تحت حضور رسول پاک ﷺ کی شان میں گستاخانہ الفاظ، فحش کلمات اور خیالی مناظر کا اشاعتی کام شروع کیا گیا اور دوسری طرف فرنگی سامراج کے زیر اثر جھوٹے نبیوں کو پروان چڑھایا گیا اور ان کی درِ پردہ کھلم کھلا مدد کی جانے لگی۔ یہ کام اس قدر عروج پر پہنچا کہ ان کی زبانوں نے اخلاق وتمدن کا ساتھ بھی چھوڑ دیا اور اس کی جگہ گالی گلوچ، فحش اور غلیظ حرکات والفاظ کا استعمال شروع ہو گیا کہ زبان ایسے الفاظات کو دھراتے ہوئے لرزتی ہے اور دل سینہ سے باہر آجاتا ہے۔ یہ بات یہاں تک بڑھی کہ غیرت ایمانی تڑپ اٹھی جس کے نتیجے میں احساس محرومی مسلمانوں میں دن بدن بڑھنے لگا۔ دل و دماغ آتش فشاں بننے لگے۔ محبان رسول اللہ ﷺ کی تڑپِ حب اپنے کوزہ سے باہر چھلکنے لگی اور اپنے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ناموس پر قربان ہونے کا جذبہ شعلہ فشاں بن کر کسی بھی وقت پھٹنے کو تیار رہنے لگا۔

پاکستان، ہندوؤں کے لئے خودکشی کے مترادف ہے:

مسلمانوں کی محرومیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ پھر ہندو فوج نے دو فیصلہ کن حملے کئے ایک جان و مال پر اور دوسرا دین و مذہب پر۔ فسادات روزمرہ کا معمول بن گئے اور گاہے بہ گاہے دل آزار کتابیں بھی شائع ہونے لگیں۔ انہیں حالات میں پاکستان کا مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ جبکہ اس مطالبہ کی ہندوؤں کی طرف سے مخالفت نے اپنا عروج پکڑا۔ ہندو مہا سبھا اس معاملے میں سب سے زیادہ پیش پیش تھی۔ اس کے صدر ساورکر نے اپنے خطبہ صدارت میں ہندوؤں پر واضح کیا کہ پاکستان ہندوؤں کے لئے خودکشی کے مترادف ہے۔ ہندوستان کی وحدت اگر قائم رہ سکتی ہے تو ہندوؤں کی عسکری تنظیموں کے بل بوتے پر اور انہی کے زور بازو پر۔ اس لئے اس تنظیم کی قوت کو اتنا بڑھا دو کہ مسلمان کے پاس اپنے مطالبہ سے ہٹنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہے۔ پاکستان کے زہر کا علاج یہ ہے کہ ہر نومسلم کو دوبارہ ہندو بنالیا جائے اور باقی مسلمان کی شدھی کر دی جائے۔ اگر یہ کام ہو گیا تو پھر پاکستان کا مطالبہ کرنے والا کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔

شدھی تحریک نے اب ایک نیا انداز اختیار کیا اور جگہ جگہ مسلمانوں کو شدھ کرنے کی رسم کا ڈھونگ رچانا شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی قرآن پاک کے اوراق کو جلانے کا کام شروع کر دیا۔ اس سب کے علاوہ قرآن پاک کو (نعوذ باللہ) ریا کاری، اور منافقت کا مجموعہ اور قابل ضبط کرنے کا مطالبہ حکومت وقت سے شروع کر دیا۔ حضور رسول پاک ﷺ کی ذات مبارکہ اور نفوس پاک پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔

اسی زمانہ میں ''رنگیلا رسول'' نامی کتاب کے ناشر ''راج پال'' نے مزید دو کتب اس سلسلہ میں شائع کیں جن میں قرآن پاک اور حضور رسول پاک ﷺ کی ذات مبارکہ پر کئی شرم ناک حملے کئے گئے۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام ''بلید ان چتر اولی'' تھا اور دوسری کا نام ''چودھویں کا چاند'' تھا۔

کتاب ''محمد کی کہانی'':

دوسری طرف انگریز سامراج بھی ہندوؤں سے کسی صورت پیچھے نہ تھے۔ اس سلسلے میں وہ بھی اپنی کوششوں میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو دین اسلام سے متنفر و باغی کیا جائے۔ ۱۹۳۵ء میں لندن (انگلینڈ) سے ایک کتاب ''Story of Muhammad'' (محمد کی کہانی) شائع ہوئی جس کی مصنفہ ''ایڈتھ ہینڈ'' تھی۔ اس کتاب کو لندن کی ایک فرم جارج ہیرپ اینڈ کمپنی نے شائع کیا اور جس میں حضور رسول کریم ﷺ کی پانچ خیالی تصاویر بھی شائع کی گئیں۔ ان تصاویر کو ایک بد بخت مصور ''ایم ایم ولیم'' نے اس عورت اور اپنے تصورات کی روشنی میں انتہائی بھونڈے طریقے سے بنایا تھا تاکہ مسلمانوں کے جذبات مجروح کئے جاسکیں۔ یہ تصاویر مختلف حالتوں ایام طفولیت، واقعہ معراج اور فتح مکہ وغیرہ کے بارے میں بنائی گئی تھیں اور اس کتاب کا اندازِ بیان انتہائی شرمناک اور خباثت کا اعلیٰ نمونہ تھا جس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے۔ آریہ سماج کے جذبات کو نہ صرف اس سے تسکین ملی بلکہ انہوں نے اس کو ایک رام کا تحفہ جانا اور اس کی تشہیر کی بھی حتیٰ الوسع کوشش کی تاکہ ان کے مذموم ارادے پورے ہوسکیں۔ اس حرکت سے

تحریک پا کر اس زمانے میں دو پمفلٹ ''انیسویں صدی کا مہرشی'' اور ''کفر توڑ و اسلام توڑ'' شائع ہوئے جن کا ایک ایک لفظ زہر آلود اور مسلمانوں کے قلوب پر تیروں کی بارش برسانے والا تھا۔ دوسری طرف ہندو اخبارات و رسائل بے انتہا شرم ناک اور شرانگیز تحریریں چھاپنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف تھے، ان میں ''بے گدی'' موج چاندنی اور ٹائمز آف انڈیا بالخصوص پیش پیش تھے۔ ان حرکات کی مثال کے لئے ٹائمز آف انڈیا کا ۳ مارچ ۱۹۳۶ء کا شمارہ ہی کافی ہے۔

کتاب ''دیدارِ رسول'':

اس تحریک نے آگے بڑھتے ہوئے ''رنگیلا رسول'' کے بعد مارچ ۱۹۳۵ء کی ابتداء کے ساتھ ہی ایک قدم اور آگے بڑھایا اور ''دیدارِ رسول'' نامی کتاب لاہور سے شائع کی گئی۔ اس کتاب کا سرورق انتہائی شرم ناک تھا اور ایک فاحشہ عورت کو انتہائی ننگے انداز میں حضور رسول کریم ﷺ کی خیالی تصویر کے ساتھ دکھایا گیا تھا۔ اس کتاب کی رونمائی ۴ مارچ ۱۹۳۵ء کو ایک تقریب میں ہوئی جس پر مسلمانوں میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی حتیٰ کہ ممکن تھا کہ مسلمانوں کا احتجاج ہندو مسلم فساد کا باعث بن جاتا اور لاہور میں طوفان خون ریزی اٹھ کھڑا ہوتا کہ ''آریہ سماجی ناشر'' دہشت کا شکار ہو گیا اور ۶ مارچ ۱۹۳۵ء کو اس کی طرف سے تحریری معذرت نامہ اخبارات میں اس خبر کے ساتھ شائع ہوا:

> ''کتاب ''دیدارِ رسول'' کے ناشر نے پرسوں ۴ مارچ ۱۹۳۵ء کو بعد از دوپہر حاجی محمد دین سنگ فروش کی دکان بیرون لوہاری گیٹ پر بہت سے مسلمان معززین کے سامنے اپنی معذرت کا اظہار کرتے ہوئے کتاب کے سرورق پر ایک بازاری عورت کی تصویر کی اشاعت پر اظہار افسوس کیا اور تحریری معافی مانگی۔''

بعد ازاں کتاب کے ناشر نے بھی معافی مانگی۔ ناشر نے اپنا معافی نامہ لکھتے ہوئے تحریر فرمایا:

''میں نے مذکورہ کتاب کے سرورق کو اتار کر جلا دیا ہے۔ کتاب ''دیدارِ رسول'' کے شرمناک سرورق کے متعلق میں جس قدر بھی معذرت خواہاں ہوں کم ہے میں پرماتما کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے یہ مہاپاپ جان بوجھ کر نہیں کیا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھ سے ایک ناقابل تلافی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ میں اس کے لئے تمام مسلمانوں سے عجز و انکساری کے ساتھ معافی مانگتا ہوں کہ وہ میری اس خطا کو معاف فرمادیں۔ میں نے معیوب اور معترضہ ٹائٹل فی الفور جلوا دیے ہیں اور آئندہ ایسی غلطی کا مرتکب نہ ہوں گا۔ میں جملہ مسلمانوں سے خلوص دل کے ساتھ معافی کا خواستگار ہوں۔''

اس طرح مسلمانوں کی دل آزاری کا یہ سلسلہ دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا اور ہندو تنظیموں کی طرف سے کئی رسائل شائع ہوئے جن میں تہذیب الاسلام' آریہ مسافر جالندھر' آریہ مسافر میگزین' آریہ پتر بریلی' ترکِ اسلام از دھرم پال وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مسلمانوں کی جوابی کاروائی:

ہندوؤں کی ان شرمناک جسارتوں کے مقابلے میں کئی مسلمان علمائے حق نے بھی کتابیں شائع کیں جن میں ہندوؤں کے اعتراضات کا جواب دیا گیا تھا اور قرآن پاک کی حقانیت اور عظمت رسول اللہ ﷺ بیان کی گئی تھی۔

برصغیر میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کا زہر

دنیا کا کوئی بھی مذہب اس پیغام کی روح کو بھی نہیں پا سکتا جو پیغام حضور نبی کریم ﷺ نے دیا۔ دین اسلام کی تعلیمات کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ دین اسلام رہتی دنیا تک کے ہر انسان کے لئے باعث نجات اور زندگی گزارنے کا بہترین آئین ہے۔ دین اسلام سے پہلے جتنے بھی مذاہب تھے ان میں کبھی انسانوں کو برابری کے حقوق سے نہیں نوازا گیا۔ دین اسلام نے انسانوں کو ان کے حقوق سے آگاہی بخشی، بھائی چارے کی فضا قائم کی، مساوات کا درس دیا۔ دین اسلام کے روحِ رواں حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیں اپنی زندگی کی صورت میں بہترین گائیڈ لائن فراہم کی۔ قرآن مجید میں فرمانِ الٰہی کچھ یوں ہوتا ہے:

"اور تمہارے لئے محمد (ﷺ) کی زندگی ہی بہترین نمونہ ہے۔"

۱۸۹۹ء میں مسلمانوں اور دین اسلام کے خلاف اپنی اس گھناؤنی سازش کو جاری رکھتے ہوئے شری متی آریہ پرتی ندھی سبھا نے پہلی مذموم کوشش کی اور بدنام زمانہ کتاب "ستیارتھ پرکاش" چھاپی جس میں مسلمانوں اور دین اسلام سے اپنی ازلی دشمنی کا بھرپور کردار ادا کرتے ہوئے قرآن مجید کی سورتوں پر ہرزہ رسائی سے کام لیا گیا۔

کتاب کے مصنف نے یہ جاننے کی ہرگز کوشش نہ کی کہ وہ دین اسلام کے آفاقی پیغام کو پہچان سکے اور اس نے اپنے متعصبانہ رویہ کی بھرپور عکاسی اس کتاب میں کی اس نے اس کتاب میں مسلمانوں کو بالعموم اور ہندوؤں و انگریزوں کو بالخصوص گمراہی میں مبتلا کرنے کی مذموم کوشش کی۔ اس کتاب کا مصنف ہی حقیقت میں اس کا ناشر تھا جس نے یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ مال و جان کا جس قدر مرضی نقصان ہو جائے وہ دین اسلام سے اپنی دشمنی کو ختم نہیں

کرے گا اور اپنے انگریز آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے وہ ہر بڑا اقدم اٹھائے گا تا کہ برصغیر پاک و ہند سے مسلمانوں کا خاتمہ کیا جا سکے۔ اس کتاب کی ابتداء میں قیمت دو روپے مقرر کی گئی جو بعد میں کم ہوتی ہوتی دس آنے تک جا پہنچی تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کتاب سے استفادہ حاصل کر سکیں۔

ستیارتھ پرکاش کی اس شیطانی جرأت کے بعد ''راجپال'' نامی ایک شخص کا حوصلہ بلند ہوا اس نے کتاب ''رنگیلا رسول'' کے نام سے لکھی جس میں حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکت کو تنقید کا نشانہ بنایا اور حضور نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی کو نہایت ہی غلیظ انداز میں بیان کیا۔ راجپال یہ بات بھول گیا تھا کہ وہ اس شخصیت کو ہدف تنقید بنا رہا جن کی ذات بابرکت نے لوگوں کو جہالت کے اندھیرے سے باہر نکال کر روشنی کی سمت ڈالا۔ جن کی حیاتِ مبارکہ تمام انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ جنہوں نے اس دنیا کو مکمل ضابطہ حیات عطا کیا۔ جن کی زندگی انسانیت کی فلاح و بہبود کی ترقی کے لئے وقف تھی۔

آریہ سماج تحریک جس کا مقصد ہی صرف حضور نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات کو تنقید کا نشانہ بنا کر مسلمانوں کی دل آزاری کرنا تھا کو برصغیر میں کوئی اور مرکز نہ ملا تو لاہور شہر میں ''راجپال'' اس تحریک کا آلہ کار بن کر سرگرم ہو گیا اور اس نے اپنی زندگی کا مشن ہی یہ بنا لیا کہ وہ اسلام اور نبی کریم ﷺ کی ذات کو ہدف تنقید بناتا رہے گا اور اس سلسلے میں آریہ سماج تحریک کے دیگر رہنماؤں نے اس کو مالی معاونت کی بھی یقین دہانی کروائی۔

ستیارتھ پرکاش کے خلاف برٹش گورنمنٹ نے سرسری سا نوٹس لیا لیکن وہ اپنی حرکتوں سے ٹس سے مس تک نہ ہوا اور یہی سب کچھ راجپال کر رہا تھا۔ راجپال کے تعاون سے اس وقت پولیس کا ایک ملازم منشی رام حد سے زیادہ بڑھ گیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں یہ نازیبا کتاب ''رنگیلا رسول'' لکھی جس سے مسلمانوں کے جذبات کو شدت سے مجروح کیا گیا۔

راجپال اس کتاب کو چھاپتے وقت یہ بھول گیا تھا کہ جب انسان قانونِ قدرت

سے تجاوز کرتا ہے تو قدرت اس کے روکنے کا بھی انتظام کرتی ہے۔ راجپال شاید اس بات سے بے خبر تھا کہ وہ جو کچھ شانِ رسول اللہ ﷺ میں گستاخی کر رہا ہے اس سے کئی محبت کے پروانے جل رہے ہیں اور وہ صرف غیبی اشارے کے منتظر ہیں تا کہ اس گستاخِ رسول ﷺ کو جہنم واصل کر سکیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کے انہی پروانوں میں ایک وہ پروانہ بھی تھا جو کہ اس وقت گمنامی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس محبت کے پروانے کی اس جرأت نے کہ وہ گستاخِ رسول اللہ ﷺ کو اس نے جہنم واصل کیا اس کو رہتی دنیا تک کے لئے درخشاں بنا دیا۔ اس کا نام تاریخ میں سنہری حروف سے چمکنے لگا۔ وہ انسان جو کل تک صرف گمنامی کے اندھیروں میں گم تھا آج وہ اسلام کے روشن چراغوں میں سے ایک ہو گیا۔

یہ وہ شخص تھا جس کی حب رسول اللہ ﷺ نے قربانی اور ایثار کے وہ انمٹ نقوش چھوڑے جو کسی زمانے میں ہمارے اسلاف کا نشان ہوا کرتے تھے۔ یہ شخصیت اپنے دور کی نابغہ روزگا شخصیت تھی۔ اس شخص کا نام ''غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ'' ہے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے گستاخ رسول اللہ ﷺ کو جہنم واصل کر کے وہ کام کر دکھایا جو اس دور کے بڑے بڑے آئمہ نہ کر دکھائے۔ تاریخ کے جھروکوں میں اس کا نام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رقم ہو گیا اور آج ہزاروں عاشقانِ رسول اللہ ﷺ اس کے مزارِ پاک پر حاضر ہو کر حضور نبی کریم ﷺ سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں جبکہ راجپال مردود کو خود اس کی قوم بھی آج نہیں پہچانتی اور نہ ہی اس کو کوئی یاد کرتا ہے۔

والدین وآباؤ اجداد

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۰۸ء کولاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد سکھ مذہب کے پیروکار تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد میں بابا لہنا سنگھ نے مغل فرمانروا جہانگیر کے دور میں اس وقت کے اولیاء اللہ کی صحبت سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا۔ بابا لہنو رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ وقت اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کی خدمت میں ہی گزرتا تھا جن کی صحبت میں رہ کروہ خود بھی ولی بن گئے تھے۔ بابا لہنا رحمۃ اللہ علیہ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کو گھر والوں کی طرف سے سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور انہیں سخت سے سخت اذیتیں دی جاتی تھیں۔ بالآخر ایک وقت ایسا آیا جب وہ ان اذیتوں سے تنگ آکر گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر مجبور ہوگئے۔ بابا لہنو رحمۃ اللہ علیہ ہجرت کر کے موضع پڈانہ میں آکر آباد ہوئے۔ موضع پڈانہ' برکی ہڈیارہ پاکستان و ہندوستان کے بارڈر پر واقع ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال موضع پڈانہ ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار موضع پڈانہ میں ''بابا لہنو'' کے نام سے مشہور ہے۔ آج بھی ہزاروں لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوکر عقیدت کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ بابا لہنو کے دو فرزند تھے جن سے ان کا سلسلہ نسب چلا۔ ان میں سے بڑے بیٹے کی نسل آج بھی برکی ہڈیارہ کے علاقہ میں آباد ہے۔ جب کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بیٹے کی نسل لاہور شہر میں آباد ہے۔

والدین:

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کا نام طالع مند تھا۔ طالع مند ایک نہایت ہی شریف النفس انسان تھے۔ طالع مند پیشے کے لحاظ سے نجار تھے اور ایک تجربہ کار نجار ہونے کی وجہ محلے کے لوگ بھی دوسرے نجاروں پر آپ ہی کو ترجیح دیتے تھے۔ طالع

مند کی دیانت داری اور ایمان داری اور کام سے لگن کی وجہ سے ان کی مالی حالت پہلے سے بہت زیادہ بہتر ہو گئی تھی۔ طالع مند کی مہارت کا ثبوت وہ سرٹیفکیٹ تھا جو انہیں ۱۹۱۱ء میں میر عثمان علی خان نظام حیدر آباد دکن کے ایک بنگلے واقع دہلی میں لکڑی کا کام اس مہارت سے کیا تھا کہ نظام دکن نے آپ کو تعریفی اسناد اور انعام و کرام سے نوازا۔ طالع مند جب جوانی کی حدودوں کو پھلانگنے لگے تو ان کے بزرگوں نے محسوس کیا کہ اب طالع مند اس قابل ہو چکے ہیں کہ گزر اوقات با آسانی کر سکتے ہیں لہٰذا ان کی شادی کر دی جائے۔ لہٰذا گھر والوں نے اپنی ہی برادری میں نزدیکی رشتے داروں کے ہاں نسبت طے کر دی۔ یہ نسبت دو سال تک رہی اور ۱۹۰۵ء میں طالع مند رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔

شادی کے ایک سال بعد اللہ عزوجل نے طالع مند کو ایک چاند سے بیٹے سے نوازا جس کا نام انہوں نے دین محمد رکھا۔ طالع منداس ذمہ داری کے احساس کے ساتھ اور زیادہ محنت اور لگن سے کام کرنے لگے۔ جب وہ تھکے ہوئے کام سے واپس آتے تو گھر میں بچے کی آواز سن کر ان کا دل خوش ہو جاتا ہے۔ طالع مند کام سے واپسی پر دین محمد کے لئے کچھ نہ کچھ لے کر جاتے۔ دین محمد کو والد کی نسبت والدہ سے زیادہ انسیت تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ باوجود طالع مند کی خواہش کے ان کے پاس نہیں جایا کرتے تھے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا آبائی مکان:

عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ' غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے آبائی مکان پر جانے کے لئے آپ لاہور کے ریلوے اسٹیشن کھڑے ہوں یا بادامی باغ' بھاٹی چوک میں ہوں یا لکشمی چوک میں، کسی سے بھی پوچھ لیجئے کہ قدیمی لاہور کے مشہور بازار کشمیری بازار کے بارے میں۔ کشمیری بازار رنگ محل چوک سے سیدھا دہلی گیٹ تک پھیلا ہوا ہے۔ رنگ محل چوک میں ایاز کا مزار واقع ہے۔ ایاز سلطان محمود غزنوی کے خادم تھے اور ایاز اپنے تقویٰ اور فہم و فراست کی وجہ سے مشہور رہتے تھے۔ ایاز اور سلطان محمود غزنوی کے بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

ایک ہی صف میں کھڑے ہیں محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

انہی ایاز کے مزار سامنے برتنوں والا ایک بازار ہے جو کیسرا بازار کے نام سے مشہور ہے۔ اس بازار میں داخل ہو کر دائیں جانب ایک چھوٹی سی گلی میں مڑ جائیں۔ یہ گلی بازار کا حصہ ہے اور کسی زمانہ میں اس بازار کا نام بازارِ سرفروشاں ہوتا تھا جب کہ موجودہ نام اس بازار کا سریاں والا بازار ہے۔ سریاں والا بازار مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ۱۹۲۹ء تک یہ بازار بھیڑ بکریوں کی سر فروشی کی وجہ سے مشہور تھا۔ یہ بازار شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے اور اپنی انفرادیت کی وجہ سے منفرد نظر آتا ہے۔ اس بازار کے دو حصے مختلف سمتوں میں نکلتے ہیں۔ ایک حصہ بازار تیزابیاں کہلاتا ہے جو کشمیری بازار کے شروع میں ہی بائیں طرف نکلتا ہے اور اس سے ملتا ہے جبکہ دوسرا حصہ اس بازار سے جا ملتا ہے جو مسجد وزیر خان کے قبلے کی سمت والی دیوار کے ساتھ کشمیری بازار میں جا نکلتا ہے۔ ان دونوں بازاروں کے درمیان دا ہنی طرف ایک محلّہ ہے جو تکیہ سادھواں کہلاتا ہے جس میں مشہور مسجد ساھواں موجود ہے۔ اسی مسجد کے مغرب کی طرف گنج شہیداں ہے جہاں پیر غفار شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار قابل زیارت ہے۔ اسی بازار کے مغربی کنارے پر شمالی جانب شاہ صاحب کے عین مقابل وہ مکان ہے جس میں غازی علم الدین شہید رضی اللہ عنہ نے آنکھ کھولی۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مکان آج بھی موجود ہے اور ان کا یہ محلّہ کوچہ چابک سواراں کے نام سے مشہور ہے۔

ولادت باسعادت

وہ جمعرات کا مبارک دن تھا جب گمنام طالع مند کے گھر میں وہ ستارہ روشن ہوا جس نے طالع مند کو گمنامی کے اندھیروں سے نکال کر اجالوں میں پہنچا دیا۔ طالع مند کام پر جانے کے لئے تیار تھے۔ انہیں بتایا کہ ان کی زوجہ کی طبیعت ناساز ہے اور زچگی کا مرحلہ بھی کسی وقت درپیش ہوسکتا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی طالع مند قدرے خوش بھی تھے لیکن زچگی کے تکلیف دہ مرحلہ کی وجہ سے پریشان بھی تھے۔ بالآخر وہ گھڑی آن پہنچی جس گھڑی نے ان کو وہ عزت عطا کی جس کے خواہاں لوگ صدیوں تک رہتے ہیں پھر بھی نصیب نہیں ہو پاتی۔ طالع مند کے گھر ایک بیٹے کی پیدائش ہے۔ رشتہ داروں اور محلّہ داروں کا ایک ہجوم تھا جوان کو مبارکباد دینے کے لئے موجود تھا۔ طالع مند یہ خبر سنتے ہی فوراً مٹھائی لے آئے اور سب کا منہ میٹھا کرانے لگے۔

بچے کا نام علم الدین رکھا گیا جو بڑا ہو کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ۸ ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ بمطابق ۴ دسمبر ۱۹۰۸ء کو بازار سریانوالہ اندرون کشمیری گیٹ پیدا ہوئے۔ طالع مند پہلے دن اتنے مصروف رہے کہ انہیں بچے کی شکل دیکھنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ جب اگلے دن انہوں نے بچے کو گود میں اٹھایا تو بے اختیار چومنے لگے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا ایک واقعہ زبان زدِ عام ہے کہ ایک روز کسی فقیر نے ان کے گھر کے دروازے پر آکر دستک دی اور صدا لگائی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو گود میں لئے دروازہ پر آئیں تاکہ حسبِ استطاعت اس فقیر کی مدد کرسکیں۔

فقیر کی نگاہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ سے کہا کہ تیرا بیٹا بہت خوش نصیب ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنا احسان فرمایا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے اس فقیر کو کوئی جواب نہیں دیا۔ فقیر نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو پکڑ لیا اور چومنے لگا۔ پھر فقیر نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ سے کہا کہ بیٹا! اس کو سبز کپڑے پہنایا کرو۔

جب اس شام طالع مند گھر واپس آئے تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے سارا ماجرا گوش گزار کر دیا اور بتایا کہ اس فقیر نے کہا کہ اس بچے کو سبز کپڑے پہنایا کرو۔ طالع مند نے علم الدین کو گود میں پکڑ لیا اور بے اختیار چومنے لگے۔ اگلے روز طالع مند نے کام سے واپس آتے ہوئے سبز رنگ کے کپڑے خریدے اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کو لا کر دیا۔ والدہ نے کپڑے سی کر علم الدین کو پہنا دیئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن دیگر بچوں سے مختلف تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن میں کچھ ایسے واقعات کا ظہور بھی ہوا جو تاریخ کا حصہ بنے۔ ذیل میں ان کا مختصر ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جس سال پیدا ہوئے اسی سال ہی مدینہ منورہ میں حجاز ریلوے سروس کا آغاز ہوا اور ریلوے سروس کے آغاز سے ہی عازمین حجاجِ کرام کو سفر کی سہولت حاصل ہوگئی۔

۲۔ جس سال غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے اسی سال مرزا غلام احمد قادیانی کذاب اور نبوت کے جعلی دعویدار کی ہلاکت ہوئی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ نے اس کو واصل جہنم کیا۔

۳۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کے ساتھ ہی فرانسیسی جو کہ مسلمانوں کے خلاف مراکش میں جنگ لڑ رہے تھے شکست فاش ہو کر وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

تعلیم و تربیت

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جب چھ برس کے ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے محلے کی ایک مسجد میں قرآن پاک کی تعلیم کے لئے داخل کرا دیا۔ تین سال تک وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اکبری گیٹ کے اندر واقع بازار نوہریاں میں بابا کالو کے پاس پڑھنے کے لئے داخل کروا دیا گیا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت اضطراری تھی اور شاید یہی وجہ ہے کہ وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے جب کہ ان کے بھائی دین محمد مسلسل تعلیم حاصل کرتے رہے۔ تین سال کی تعلیم میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو صرف حروف کی پہچان ہوئی تھی۔

تعلیم حاصل نہ کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قدرت نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کسی اور کام کے لئے چن رکھا تھا اور ایک ایسا جوہر مخفی کر رکھا تھا جس سے وقتی طور پر والدین اور دیگر لوگ بے خبر تھے۔ جب یہ جوہر وقت آنے پر آشکار ہوا تو کوئی بھی اس کی تاب نہ لا سکا اور یہ وہ جوہر تھا جس کا بدل اس کائنات میں کوئی چیز نہیں تھی۔

جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے دیکھا کہ ان کا رجحان تعلیم کی طرف نہیں ہے تو انہوں نے علم الدین کو اپنے والا یعنی نجار کا ہنر سکھانا شروع کر دیا اور اس بات کا اظہار کیا کہ علم الدین میری طرح ایک اچھا نجار بن جائے۔ اسی وجہ سے انہیں بھاٹی گیٹ کے رہائشی نظام الدین کا شاگرد بنا دیا گیا جہاں چند ماہ میں ہی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کام سیکھ لیا۔

اس کام میں مہارت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد طالع مند اور بھائی محمد دین سے حاصل کی۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلا کام شیخ نیاز محمد

کی کوٹھی پر کیا اور داد حاصل کی۔ اس طرح تین سال گزر گئے اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ باپ اور بھائی کے ساتھ دوکان چلانے لگے۔

طالع مند اس دوران گاہے بگاہے انبالہ' کوہاٹ اور دوسرے دور دراز مقامات پر بھی جا کر کام کیا کرتے تھے اور جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کام سیکھ لیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی والد محترم کے ساتھ اکثر و بیشتر کام کی غرض سے دور دراز کا سفر اختیار کرتے رہے۔ محمد دین کے بارے میں باپ کا خیال تھا کہ وہ پڑھ لکھ کر کوئی سرکاری ملازمت اختیار کر لیں۔ بالآخران کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور محمد دین ریلوے میں ملازم ہو گئے اور جلد ہی اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرنے لگے۔ محمد دین بہت ذہین اور ہوشیار شخص تھے۔ تمام اہل خانہ اور عزیز واقارب محمد دین کی عزت کرتے تھے۔ محمد دین اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ میں بھی بے حد پیار تھا جس کو دیکھ کر لوگ رشک کرتے تھے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ فطرتاً نہایت سیدھے سادھے' صاف گوئی میں نمایاں خوبی کے حامل' کذب وفریب سے قطعاً ناآشنا' عادات و خصائل میں منفرد تھے۔ اجنبی گھر اور اجنبی لوگوں سے کھانے پینے سے اجتناب ان کی فطرت میں شامل تھا البتہ کسی حد تک کبھی کبھار کسی ہوٹل کو رونق ضرور بخشتے لیکن ہوٹل کے کھانوں کو ناپسند فرماتے تھے۔ البتہ گھر کی روکھی سوکھی روٹی اور والدہ کے ہاتھ کی پکی ہوئی دیگر اشیاء بڑے رغبت سے کھاتے تھے۔ اگر کبھی گھر سے باہر کہیں روٹی کھانے کا موقعہ ملتا تو روکھی سوکھی جیسی بھی میسر آتی بصد شکر کھا لیتے ورنہ پانی پی کر گزارہ کرتے تھے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا گھر پرانی وضع کا تھا جہاں وہ والدین کے زیر سایہ تربیت پا رہے تھے۔ گھر سے انہوں نے عزت اور شرافت کا سبق لیا۔ یہیں سے دیانت داری کی خو پائی۔ گھر ہی درس گاہ ٹھہری چونکہ کتابی علم تو نہیں ملا لیکن اس کی روح جذب کی۔ اس کی غایت جانی پہچانی۔ علم تو ان کے نام کا حصّہ تھا وہ اعلیٰ درجے کا انسان بن رہے تھے۔ علم تو نور ہے جب یہ بندے کے اندرون کو روشن کرے تو وہ نورانی ہو جاتا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ گھر کے شریفانہ ماحول میں ڈھل گئے۔ والد کی صحبت میں رہ کر معلوم ہوا کہ بندہ وہ ہے جو دوسروں کے کام آئے۔ باپ کی زیرتربیت یہ بات اپنی زندگی کا جزو لازم ٹھہرائی اور ایثار و احسان کو زندگی کا بنیادی عنصر قرار دے دیا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ہر ایک سے خلوص سے پیش آنے لگے کیونکہ اس کا صلہ انہیں کسی نہ کسی شکل میں مل ہی جاتا ہے۔

دماغ پر بچپن کے بہت سے ایسے واقعات نقش تھے جنہوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آئندہ زندگی اور کردار سازی میں اہم کام سرانجام دیا اور زندگی کو ایسے رخ پر موڑا جس نے آگے چل کر ان کو ''غازی اور شہید'' دونوں القاب سے بیک وقت سرفراز فرمایا۔

میدان میں اس کے حسن عمل دیکھ کر نعیم
حیرت سے بدحواس تھے جتنے شیخ شاب

حلیہ مبارک

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بیس سال کی ہوئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خوبصورت نمونہ نقاش فطرت جوانی کا روپ پایا۔ اٹھتی جوانی' خدوخال کے لحاظ سے خوبرو اور شکیل نوجوان' سڈول جسم' رنگ سرخ وسفید' پیشانی چوڑی' بال سیاہ اور گھنگھریالے' آنکھیں جھیل کی مانند گہری تھیں جن میں اکثر اوقات سرخ ڈورے فروزاں رہتے تھے۔ مردم سیاہ دراز' ہونٹ باریک اور گردن ایک پروقار انداز سے اٹھی ہوئی تھی۔ چہرے کی ساخت قدرے کتابی' خوبی وکمال کا مرقع' لہجے میں ملائمت اور بلا کی مٹھاس تھی۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے والے کا جی چاہتا تھا کہ بلا کسی توقف کے مسلسل دیکھتا ہی چلا جائے اور سننے والوں کی یہ خواہش کھوتی ہ وہ ہمہ تن گوش سنتے رہیں۔ ہر ایک بیک زبان پکار اٹھتا کہ نقاش فطرت نے اپنا ایک حسین شاہکار پیدا کر کے اس کائنات رنگ وبو میں بھیج دیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ورزش کا بے حد شوق تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی جسمانی نشوونما روز افزوں تھی اور اس عمر میں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سراپا عمر سے کہیں زیادہ تنومند اور خوبصورت نظر آتا۔

ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش
شامل کسی کا خون تمنا ضرور تھا

روحانی فیوض و برکات کا حاصل ہونا

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جب بالغ ہوئے تو اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد بزرگوار میاں طالع مند کے ساتھ ملتان اور خانیوال کا پہلا سفر کیا۔ ملتان اور خانیوال میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ متعدد مزارات پر حاضری دی اور بے شمار روحانی فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔

میاں طالع مند' حضرت خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ جو کہ نابغہ روزگار ولی اللہ تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کا قیام لاہور کے نواح میں واقع قصبہ لکھن شریف میں تھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اس دور کے بلند پایہ مفسرین اور جید عالم دین میں ہوتا تھا۔ حضرت خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں ایسی کشش تھی کہ ہر کوئی ان کی جانب کھنچا چلا آتا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سالک کو روحانی جذب وسلوک سے متعارف کروا کر انہیں بے شمار فیوض و برکات سے نوازتے تھے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ حضرت خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی متعدد بار حاضر ہوئے اور بے شمار روحانی فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔

بھائی محمد دین کی محبت

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی محمد دین کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بہت محبت تھی اور وہ ان کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے تھے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ذرا سی تکلیف بھی ان کو بے چین کر دیتی تھی اور ان کی عدم موجودگی کو وہ بہت زیادہ محسوس کرتے تھے۔ غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ کے ہمراہ سیالکوٹ کام کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے تو ایسے میں محمد دین کی بے چینی دیدنی تھی۔ انہوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک بھیانک خواب دیکھا جس سے وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور ان کی اس گھبراہٹ پر سارا خاندان ان کے گرد اکٹھا ہو گیا۔ انہوں نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے علم دین (رحمۃ اللہ علیہ) کو کام کرتے ہوئے سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہوتے دیکھا ہے اور اس وجہ سے میرا دل سخت پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ محمد دین کی بات سے گھر والے پریشان ہو گئے۔ اسی اثناء گھر والوں کو کسی نے خط لکھنے کا مشورہ دیا تاکہ خیریت معلوم ہو سکے اور کسی نے اس کو خواب و خیال پریشان قرار دیا لیکن محمد دین کو کسی پل چین نہ آیا اور وہ ماں سے اجازت لے کر سیالکوٹ چلے گئے۔

سیالکوٹ پہنچ کر محمد دین نے اس جگہ کا رخ کیا جہاں کا پتہ ان کے پاس موجود تھا لیکن والد طالع منداور بھائی علم دین وہاں نظر نہ آئے تو محمد دین نے ان بزرگوں سے باپ اور بھائی کے بارے میں دریافت کیا۔ جس پر وہاں موجود ایک بزرگ جن کا نام اختر مرزا تھا نے انہیں بتایا کہ ان کا کام بند پڑا ہے اور طالع منداب یہاں کام نہیں کرتے بلکہ اسی محلّہ میں ان کے کسی جاننے والے کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں اور ان کا کام کر رہے ہیں۔ اس پر

محمد دین مزید پریشان ہو گیا اور اختر مرزا کے مجبور کرنے پر صرف اتنا کہا کہ کافی دنوں سے ان کا کوئی خط نہیں آیا اس لئے میں خیریت دریافت کرنے آیا ہوں۔

اختر مرزا نے بتایا کہ طالع مند کچھ دن بیمار رہے ہیں لیکن اب ٹھیک ہیں بہر حال محمد دین ان کے ہمراہ اس جگہ روانہ ہوئے جہاں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ گندے نالے کے سامنے والی گلی سے ہوتے ہوئے وہ ایک تنگ سی گلی میں داخل ہوئے اور دائیں طرف کے تیسرے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو سامنے طالع مند نظر آئے۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے طالع مند انہیں پہچان نہ سکے لیکن محمد دین باپ کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئے۔ طالع مند نے شفقت سے محمد دین کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور پیشانی کا بوسہ لیا اور پھر انہیں اندر لے گئے اور گھر کا حال احوال پوچھا جس پر محمد دین نے سب کی خیریت کی اطلاع دی۔

گھر کے اندر داخل ہوئے تو سامنے چارپائی پر ہی غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے تھے۔ دیئے کی مدھم روشنی میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھائی محمد دین کو دیکھا تو خوشی سے اچھل پڑے اور جلدی سے اٹھ کر شدت جذبات سے بھائی سے لپٹ گئے اور اس طرح کافی دیر تک دونوں بھائی باہم بغل گیر رہے اور کچھ دیر بعد ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر بیٹھ گئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی محمد دین کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ گزشتہ روز کام کے دوران ان کے ہاتھ پر تیشہ لگ گیا تھا اور ہاتھ زخمی ہو گیا تھا۔ محمد دین نے جب استفسار کیا کہ کیا زخم زیادہ گہرا تو نہیں آیا؟ طالع مند نے جواب دیا کہ نہیں! اللہ تعالیٰ نے بچا لیا' فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا اور اس طرح رات گئے تک دونوں بھائی باتوں میں مصروف رہے اور اگلے روز گھر واپس آ کر ان کی خیریت کی اطلاع والدہ کو دی۔ اس دوران غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ ہفتہ بھر کام نہ کر سکے اور ایک ہفتہ بعد ہاتھ کے درست ہونے پر اپنے کام میں مصروف ہوئے۔

محمد دین نے لاہور پہنچنے کے بعد بھی دو خط لکھے جس میں انہیں لاہور جلد آنے کی درخواست کی۔ کام ختم ہونے کے نزدیک تھا اس لئے ادھر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ سترہ روز اس بات کو گزر چکے تھے ادھر ابھی کام ختم نہ ہوا تھا کہ انہیں ایک اور کام کی پیش کش ملی لیکن طالع مند نہ مانے اور سیالکوٹ سے لاہور آ گئے۔ گھر واپس پہنچ کر غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ والدہ سے ملے اور پھر بھائی کے بارے میں پتہ کیا تو پتا چلا کہ وہ اپنے کام سے شام کو گھر واپس آتے ہیں۔ رات کو جب محمد دین گھر واپس آئے تو بھائی غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر ان کی خوشی دیدنی تھی۔

طالع مند نے لاہور واپس آنے کے بعد اپنے بھائی سے مشورہ کرتے ہوئے ان سے کہا کہ اب محمد دین کا گھر بسانے کا وقت آن پہنچا ہے اس لئے تم اس کے لئے کوئی اچھا سا رشتہ تلاش کرو تا کہ میں جلد از جلد اس فرض کو ادا کر سکوں۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کو جب محمد دین کی شادی کے بارے میں معلوم ہوا تو ان کی خوشی دیدنی تھی۔ کچھ دنوں بعد محمد دین کا رشتہ ان کے رشتہ داروں میں طے ہو گیا۔ چند دنوں بعد شادی ہوئی اور محمد دین رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کوہاٹ میں

محمد دین کا گھر آباد کرنے کے چند دنوں بعد طالع مند انبالہ چلے گئے اور وہاں تین ماہ تک مقیم رہے۔ پھر لاہور آئے اور یہاں سے کوہاٹ چلے گئے اس دوران غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں ہی کام کرتے رہے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے نجاری کے پیشہ میں کافی مہارت حاصل کی اور اب وہ اکیلے ہی اپنے کام پر چلے جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ باپ کے ہمراہ بھی دوسرے شہروں جن میں انبالہ' کوہاٹ' سیالکوٹ اور کئی دوسرے شہر شامل تھے' کام کرتے رہے اور اس طرح غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۲۸ء کے آغاز تک لاہور میں ہی کام کرتے رہے۔

یکم جنوری ۱۹۲۸ء کو طالع مند جب کوہاٹ جانے لگے تو اپنے ہمراہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بھی لے گئے جہاں انہوں نے ایک مکان کرائے پر لیا اور شہر میں کام کرنے لگے۔ چونکہ طالع مند اکثر وہاں آتے رہتے تھے' اس لئے ان کو وہاں کام کرنے کے سلسلے میں اور ضروریات زندگی پورا کرنے میں کبھی کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

طالع مند نے جو مکان کا کرایہ پر حاصل کیا تھا اس کا مالک اکبر خان اچھا انسان تھا۔ شروع شروع میں اس کا رویہ صرف واجبی سا تھا لیکن آہستہ آہستہ وہ طالع مند کے قریب ہوتا گیا اور جب طالع مند رات کو کام سے واپس آتے تو ان کے پاس آ کر بیٹھ جاتا۔ اکبر خان طالع مند اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شرافت اور دیانت داری کا قائل ہو گیا تھا اور اس کا ذکر اپنے ملنے والوں سے بھی کرتا رہتا تھا۔

ایک روز طالع مند اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اسی محلہ میں رہائش پذیر روشن

خان کے گھر کام کے لئے گئے ہوئے تھے کہ وہاں انہیں پتہ چلا کہ اکبر خان کا اپنے بھائی سے جھگڑا ہو گیا اور اور اس جھگڑے میں اس کا بھائی شدید زخمی ہو گیا ہے۔ بھائی کی رپورٹ پر پولیس اکبر خان کو پکڑ کر لے گئی ہے۔ طالع مند نے روشن خان سے کہا کہ میں گھر جا رہا ہوں۔ روشن خان کے دریافت کرنے پر طالع مند نے اکبر خان کی گرفتاری کی ساری بات بتا دی۔ روشن خان نے کہا کہ تمہاری اس کے ساتھ کیا رشتہ داری ہے جو کام چھوڑ کر جا رہے ہو؟ طالع مند نے کہا کہ میں اس کا کرائے دار ہوں اور وہ میرا محسن ہے۔ اگر خوشی کے لمحات میں وہ ہمیں نہیں بھولتا تو پھر اس کی مصیبت کی گھڑی میں میں کیوں اس کو بھلا دوں؟

پھر طالع مند روشن خان کی اجازت کے بغیر اور خلافِ توقع کام چھوڑ کر چلے گئے۔ اس دوران غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ والد کی اجازت سے کام کرتے رہے۔ روشن خان طالع مند کے اس خلوص سے متاثر ہو کر ان کے پیچھے پیچھے اکبر خان کے گھر گیا اور اس کے گھر والوں کو ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ روشن خان کی کوششوں اور طالع مند کی پر خلوص نیت کی وجہ سے اکبر خان کو دوسرے دن ہی پولیس نے چھوڑ دیا۔

اکبر خان تو یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ طالع مند ان کے لئے یہ سب کچھ کریں گے۔ طالع مند اس واقعہ کے ایک سال تک کوہاٹ میں رہے اس دوران اکبر خان نے ان سے مکان کا کرایہ لینے سے انکار کر دیا۔ طالع مند اس کو اصرار کرتے تو وہ انکار کر دیتا اور پہلے سے بھی زیادہ ان کا خیال رکھنے کی کوشش کرتا۔

طالع مند اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جتنے دن گھر سے دور رہے تھے ان کا رابطہ گھر والوں سے خط و کتابت کے ذریعے رہتا تھا۔ جب دونوں باپ بیٹا گھر پہنچے تو گھر والوں کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔ گھر میں اس طرح چہل پہل تھی جیسے ان کی آمد کے لئے عید کا دن ہو۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شادی کی تیاری

کوہاٹ سے واپسی پر طالع مند کی خواہش تھی کہ اب وہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا گھر بھی بسا دیں۔ چنانچہ اس خواہش کے نتیجے میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا رشتہ ان کے ماموں کی بیٹی سے طے پا گیا۔ طالع مند اپنے آپ کو نہایت ہی خوش قسمت تصور کرتے تھے کہ اپنے دونوں بیٹوں کی شادیاں اپنی ہی زندگی میں دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ان سب باتوں سے بے خبر اپنے آپ میں مگن رہتے تھے۔ انہیں اس وقت تک یہ بھی نہ پتہ تھا کہ ملک کے حالات کیا ہیں اور گندی ذہنیت کے مالک راج پال بد بخت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کتاب ''رنگیلا رسول'' تحریر کی ہے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ملکی صورتحال کی نسبت اپنے کام میں مشغول تھے اور اپنے اردگرد کے حالات سے بالکل بے خبر تھے۔

جذبہ عشق:

یہ ۱۹۲۸ء کے شروع کے دن تھے جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے کم سن بھتیجے شوکت دین کا انتقال ہو گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ گھر والوں کے ہمراہ بھتیجے کو دفنانے کے لئے قبرستان میانی صاحب لاہور گئے۔ قبرستان سے واپسی پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو راستہ میں ایک عظیم الشان جنازہ ملا۔

یہ جنازہ گڑھی شاہو لاہور کے مشہور صوفی بزرگ اور اس دور کے نابغہ روزگار ولی حضرت مولوی تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ اس جنازہ میں ہزاروں لوگ شریک تھے۔ جنازہ میں عجیب سی عشقیہ کیفیت طاری تھی اور یہ جنازہ' جنازہ گاہ کی طرف رواں دواں تھا۔ اس

جنازے میں لوگوں کی والہانہ عقیدت اور محبت دیکھ کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں بھی عشق کا ایک ننھا بیج پیدا ہوا اور اس جنازے سے متاثر ہو کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا:

''کاش! زندگی ہو تو ایسی اور موت ہو تو ایسی جس سے کچھ نصیحت اور عبرت حاصل ہو۔''

حضرت مولوی تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ کے یہ وہ لمحات تھے جنہوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو ایک نیا رخ دیا اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خود سے کہے گئے انہی الفاظ نے حقیقت کا روپ دھارتے ہوئے ثابت کر دیا کہ واقعی موت ہو تو ایسی کہ روزِ محشر تک قلوبِ انسانی سے اس کا نقش کبھی نہ مٹ سکے۔

سینوں میں آگ لگ گئی اعدائے دین کے
غیظ و غضب کے شعلوں سے دل ہو گئے کباب

مذہبی طوفان کا آغاز

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ملنسار طبیعت کے مالک اور اپنے حال میں مگن رہنے والے انسان تھے۔ اس زمانے میں گھر سے باہر کیا سیاسی صورتحال چل رہی ہے اور ملک اس وقت کس سیاسی طوفان سے گزر رہا ہے اس بارے میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ مکمل بے خبر تھے۔ انہیں تو یہ بھی علم نہ تھا کہ ہندو کی بدطینت فطرت کیا رنگ لائی ہے اور انتہائی گندی ذہنیت کے حامل ایک شخص راجپال نے اپنی شیطانی ذہنیت اور ہٹ دھرمی کا گھناؤنا مظاہرہ کرتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ایک دل آزار کتاب ''رنگیلا رسول'' شائع کر کے مسلمانوں کے جذبات کو بری طرح مجروح کر دیا ہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی سادہ صفت طبیعت کے ہاتھوں ان تمام باتوں سے بے خبر تھے اور انہیں اس بات کا قطعاً علم نہ تھا کہ ملک میں کس قسم کے سیاسی اور مذہبی طوفان کا آغاز ہو چکا ہے ایک طرف ہندو مسلم اتحاد زندہ باد' انقلاب زندہ باد' فرنگی راج مردہ باد کے فلک شگاف نعرے رات دن گونج رہے تھے۔ دوسری طرف ہندو کی گندی ذہنیت فرنگی کے ایماء پر مسلمانوں کو در پردہ کچلنے اور صرف ہندو راج پاٹ کے لئے برسر پیکار تھی۔ اوپر سے پیار و الفت کی چکنی چپڑی باتوں سے مسلمانوں کو بہلا رہے تھے اور اندر سے کوئی ایسا موقع چھوڑنے کو تیار نہ تھے جس سے مسلمانوں کو ذہنی' جسمانی' مذہبی اور سیاسی ضعف پہنچ سکے' ان کا یہ حال تھا کہ ظاہری منہ سے رام رام پکار رہے تھے اور اندرونی لحاظ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے بغل میں چھری دبائے بیٹھے تھے اور اس ضمن میں شیطان صفت گندی ذہنیت کے مالک راجپال نے نفرتوں اور کراہتوں کا ایک نیا لامتناہی طوفان کھڑا

کر دیا تھا۔

اس طوفان بدتمیزی کی لپیٹ میں ہندوؤں کے سمجھ دار اور سیانے لوگ بھی آ گئے تھے اور وہ دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ان میں سے خالص مسلم دشمن عناصر یکجا ہو گئے تھے جبکہ عدل و انصاف کے چاہنے والے اور ہندو مسلم اتحاد کے حامی دوسری طرف ہو گئے تھے۔ البتہ ایسے لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی اسی لئے ان کی اٹھنے والی آواز کی مثال نقار خانے میں طوطی جیسی تھی۔ ان حالات میں جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اصل صورتحال کا کسی حد تک ادراک ہوا تو اس کے اندر چھپے ہوئے مسلمان نے انگڑائی لی اور دل میں طوفانوں کے بادل منڈلانے لگے۔ ان کی پرسکون زندگی میں اٹھان پیدا ہوا۔ جس نے ان کی تمام سوچوں کا محور ہی بدل دیا۔ شاید یہ ان کی گھریلو طبیعت کا فاصلہ تھا اور قدرت بھی شاید اس کے گھرانے کو سرفراز فرمانا چاہتی تھی۔ اس لئے ان کے اندر زندگی کے اس موڑ پر ایک نئے گرداب نے جنم لیا۔ طوفانوں نے ایک نئے انداز سے ان کی زندگی کے تصور کو نئی سوچ سے ہمکنار کیا اور اس سمت میں اپنے سے زیادہ شدت سے ان کی زندگی کو مکمل طور پر بدل کر رکھ دیا۔

کتاب ''رنگیلا رسول'':

''رنگیلا رسول'' نامی کتاب حقیقت میں سوامی دیانند کے ایک چیلے مہاشا کرشن ایڈیٹر ''پرتاب'' لاہور نے لکھی جس میں اس بدبخت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بے شمار دل آزار باتیں لکھیں اور ایسی ایسی باتیں لکھیں کہ جن کو پڑھنے سے نہ صرف مسلمان بلکہ ہر باشعور غیر مسلم بھی کم از کم یہ دعا ضرور کرتا کہ اس سے اچھا تھا کہ اسے موت آ جائے۔ اس کتاب میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث قدسی کی انتہائی غلط تاویلات پیش کی گئیں۔ چونکہ اسے اس بات کا بخوبی ادراک تھا کہ مسلمان ایمان کے معاملے میں ایک سنگ کی مانند کھڑے اور سچے ہوتے ہیں اور اس کتاب میں جو شرمناک باتیں لکھیں ہیں ان سے مسلمانوں کے دلوں کے اندر ایک انتہائی لامتناہی تند و تیز طوفان اٹھ کھڑا ہو گیا۔

راجپال نے اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد اٹھنے والے طوفان سے بچنے کے لئے اپنی بجائے ''پروفیسر پنڈت چمپوتی لال ایم اے'' کا فرضی نام بطور مصنف تحریر کر دیا تھا تاکہ اس کے خلاف کوئی اخلاقی یا قانونی کاروائی نہ ہو سکے۔ البتہ اس کتاب کے اوپر اس کتاب کے پبلشر راجپال کا نام اور اس کی دوکان واقع ہسپتال روڈ کا نام و پتہ مکمل موجود تھا۔ مسلمانوں نے راجپال سے اخلاقی دائرہ کے اندر کئی مرتبہ درخواست کی کہ وہ اس کتاب کی تشہیر اور فروخت کی بجائے اس کتاب کو تلف کر دے تاکہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان کوئی سخت قسم کا تنازعہ نہ اٹھ کھڑا ہو اور ملک کی فضاء مذہبی منافرت کا شکار ہو کر لوگوں کی زندگی کو جہنم زار نہ بنا دے۔

راجپال نے اپنی شیطان صفت ذہنیت کی بدولت اور اس کے مصنف ایڈیٹر پرتاب کی شہ پر اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور اس طرح یہ کتاب نہ صرف باعث نزاع بنی بلکہ تمام مسلمانوں کے ایمان پر ایک تازیانہ ثابت ہوئی اور مسلمان جو کہ اپنے ایمان کی اساس کلمہ اور حب رسول اللہ ﷺ کو ہر شے پر مقدم جانتا ہے۔ ان کی ناموس کی حفاظت کے لئے میدان میں سرفروشانہ نکلنے پر مجبور ہو گیا۔

مقدمہ:

اس کتاب کو ضبط کرنے کے لئے برصغیر کے کونے کونے سے بالعموم اور لاہور شہر میں بالخصوص احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے تو حکومت برطانیہ بری طرح چونکی اور اس نے لاہور میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ حکومت برطانیہ کے ان ہتھکنڈوں سے مسلمانوں کا جوش و خروش کم ہونے کی بجائے مزید بڑھتا چلا گیا اور جب حالات قابو سے باہر ہوتے نظر آنے لگے تو ایسے میں حکومت کو مجبوراً ناشر راجپال کے خلاف فرقہ ورانہ منافرت پھیلانے کے الزام میں دفعہ ۱۵۳ الف کے تحت مقدمہ درج کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ۲۴ مئی ۱۹۲۴ء کو یہ واقعہ لاہور کے مجسٹریٹ مسٹر سی ایچ ڈزنی کی عدالت میں پیش ہوا۔ تفتیش کے لئے بہت سے لوگوں کو بلایا گیا تھا ان میں بادشاہی مسجد کے خطیب غلام مرشد صاحب بھی شامل تھے۔

جرح کے دوران غلام مرشد صاحب نے ایک مدلل تقریر فرمائی اور واضح الفاظ میں کہا کہ بلاشبہ اس ناخواندہ رسالہ میں بعض ہماری مفروضہ کتب کے حوالہ جات منقول ہیں لیکن ایک غور طلب امر یہ ہے کہ وہ کتابیں کیسی ہیں اور ان کے متعلق مسلم رائے عامہ کیا ہے؟ ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر دل کے کسی گوشے میں حضور نبی کریم ﷺ کی اہانت کا خیال بھی پیدا ہو تو مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے پھر یہ کتابیں ہمارے نزدیک کیوں معتبر ہوں گی۔ قرآن مجید ہمارے لئے حجت ہے اور صحاح ستہ ہمارا مقدس مذہبی ورثہ ہے، کہیں بھی ان کا کوئی جواز موجود نہیں اس ہتک آمیز ناول میں جمع شدہ حوالہ جات ہمارے نزدیک غیر معتبر ہیں، ان کے لکھنے والے قابل گردن زنی اور کافر ہیں، ہم ان کو واجب القتل سمجھتے ہیں۔

مقدمے کا نتیجہ:

عاشقانِ رسول ﷺ نے حکومت پنجاب سے درخواست کی کہ وہ راجپال کے خلاف مقدمہ چلائے۔ بے پناہ کوششوں کے بعد راجپال کے خلاف مقدمہ بھی چلا لیکن معتبر انگریزوں کی گندی ذہنیت سے جو نتائج برآمد ہوئے وہ مسلمانوں کی توقع کے برعکس اور ہندوؤں کی توقع کے عین مطابق تھے۔ بعد ازاں عبدالعزیز اور اللہ بخش کو دو مختلف مقدمات میں الجھا کر سزا دی گئی اور اس طرح یہ مثل کہ ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' پر انتہائی تیزی سے عمل درآمد کیا گیا۔ اس بے ایمانی کے خلاف اخبارات میں حکومت کے رویے پر سخت تنقید کی گئی۔

مرحوم مولوی نور الحق نے اخبار ''مسلم آؤٹ لک'' میں حکومت کے اس دوغلے رویہ پر اور راجپال کے خلاف کھل کر لکھا جس پر انگریز حکومت کی ایماء پر پنجاب حکومت نے انہیں دو ماہ کی سزائے قید اور ایک ہزار روپے جرمانہ عائد کیا۔ دوسری طرف جلسے، جلوسوں اور اجتماعی ریلیوں اور عوام کے غم وغصہ کے باوصف راجپال نے اپنے جرم کی معافی نہ مانگی۔ حکومت پنجاب اور عدل وانصاف کے ایوانوں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی اور حق سچ کا بول بالا کرنے کی بجائے الٹا راجپال کو تحفظ فراہم کر دیا گیا۔

انگریزوں کے اس رویے سے مسلمانوں کے دل شکستگی اور درماندگی کے امتحان سے ٹوٹ کر رہ گئے لیکن پھر بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری بلکہ پہلے سے بھی زیادہ جوش وخروش سے سرگرم عمل ہو گئے۔ بہرحال مسٹر سی ایچ ڈزنی مجسٹریٹ درجہ اول نے بڑی تندہی سے فریقین کے دلائل سنے اور طویل سماعت کے بعد دسمبر ۱۹۲۴ء میں عدالت ہذا نے راجپال کو چھ ماہ قید بامشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانے کی سزا کا حکم سنایا۔ راجپال نے اس فیصلے کے خلاف سیشن کورٹ میں اپیل دائر کر دی جس کی سماعت کرنل ایف سی نکولس نے کی۔ اس عدالت میں اس کو مجرم تو قرار دیا گیا تاہم مجسٹریٹ کے فیصلے میں تخفیف کر دی اور سیشن جج نے ناشر مذکور کو محض چھ ماہ سزائے قید سنائی۔

طویل مدت کی اس عدالتی کاروائی کے بعد ۱۹۲۷ء میں ملزم کی جانب سے نگرانی کی درخواست ہائی کورٹ میں پیش ہوئی جس کی سماعت کنور دلیپ سنگھ کی عدالت میں ہوئی اس وقت پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس سر شادی لال تھا جس کی ذاتی سفارش پر جسٹس کنور اور دلیپ سنگھ مسیح نے ملزم کو رہا کر دیا۔ کنور دلیپ سنگھ مسیح نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ کتاب کی عبارتیں کیسی ہی ناخوشگوار ہوں حضور نبی کریم ﷺ کی توہین (نعوذ باللہ) کوئی جرم نہیں ہے اور نہ ہی اس سے قانون کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور نہ ہی قانون کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت ہے۔

فیصلے کے خلاف مسلمانوں کا سخت احتجاج:

اس فیصلے نے مسلمانوں کے جذبات کو شدید مجروح کیا اور مسلمان اپنے ایمان اور اپنے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ کی ناموس کو بچانے کی خاطر انتہائی جوش وخروش میں آ گئے۔ چونکہ ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ انتہائی متعصبانہ طرز عمل کے تحت دیا تھا اور اس میں انصاف کے تمام تقاضوں کو بری طرح مجروح کیا گیا تھا اور پس پردہ فرنگی ہندو دشمنی کے زیر اثر مسلمانوں کو ذلیل کیا گیا تھا اس لئے اس سلسلہ میں متعدد جلسے اور جلوس نکالے گئے۔ چار اور پانچ جولائی ۱۹۲۷ء کی درمیانی رات مسلمانانِ لاہور کی جانب سے باغ دہلی دروازہ میں

ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا جس میں سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا احمد سعید، مولانا مفتی کفایت اللہ، چودھری فضل حق، خواجہ عبدالرحمان غازی نے تقریریں کرنی تھیں۔ لیکن اسی روز ڈپٹی کمشنر مسٹر اوگلوی نے دفعہ ۱۴۴ لگا کر جلسے کو ممنوع قرار دے دیا۔ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی تجویز پر یہ جلسہ احاطہ میاں عبدالرحیم بالمقابل مزار حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ بیرونِ دہلی گیٹ ہونا طے پایا۔ اس وسیع وعریض احاطے میں ہزاروں لوگ جمع ہو گئے اور جلسہ کی صدارت چودھری فضل حق نے کی۔ فوج اور پولیس ہمراہ مسٹر اوگلوی ذاتی طور پر بھی احاطہ کے باہر موجود تھا اور اس نے اندر آ کر اعلان کیا کہ دفعہ ۱۴۴ کے باعث یہ مجمع خلاف قانون ہے، آپ لوگ پانچ منٹ کے اندر یہاں سے چلے جائیں، ورنہ مجھے گولی چلانے کا حکم دینا پڑے گا۔ ڈپٹی کمشنر کے اس اعلان پر خواجہ عبدالرحمٰن غازی نے انگریزی میں جواب دیا کہ ہم اس قانون کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہیں جو قانون ہمیں ناموس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی ضمانت نہیں دیتا، تم جو چاہو کرو ہم یہ جلسہ کریں گے۔

حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ آج ہم سب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو برقرار رکھنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ بنی نوع انسان کو عزت بخشنے والے کی عزت خطرے میں ہے۔ آج اس جلیل القدر ہستی کی ناموس خطرے میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔ آج مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب کے دروازے پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آئیں اور فرمایا کہ ہم تمہاری مائیں ہیں؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں؟ ارے دیکھو تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دروازے پر تو کھڑی نہیں؟ اس بات کو سن کر حاضرین میں کہرام مچ گیا اور مسلمان ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگے شاہ جی نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہماری محبت کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج سبز گنبد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تڑپ رہے ہیں اور خدیجہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا پریشان ہیں۔ بتاؤ تمہارے دلوں میں امہات المومنین کی کیا

وقعت ہے؟ آج ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ وہی جنہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حمیرا کہہ کر پکارتے تھے جنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی، اگر تم ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ناموس کی خاطر جانیں دے دو تو کچھ کم فخر کی بات نہیں۔ یاد رکھو! یہ موت آئے گی تو پیامِ حیات لے کر آئے گی۔

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی اس جذباتی تقریر نے مجمع میں حشر برپا کر دیا اور جلسہ گاہ سے نکلتے ہی لوگ باغ میں واقع اصل جلسہ گاہ جانا شروع ہو گئے جن میں سے متعدد کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر لاٹھی چارج کیا جاتا رہا۔ یہ سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہا۔ بالآخر سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نے عوام کو اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی اپیل کی اور کہا کہ ہمارا موقف قتل و غارت نہیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ برطانوی حکومت تعزیزات ہند میں ایک ایسی دفعہ کا اضافہ کرے جس کی رو سے باغیان مذاہب کے خلاف تقریر و تحریر کی پابندی ہو اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم قرار پائے۔ اس قرارداد کے بعد جلسہ برخاست ہو گیا۔

راجپال پر پہلا قاتلانہ حملہ:

راجپال نے ہائی کورٹ سے بری ہونے کا بعد ایک اعلان مشتہر کروایا کہ وہ آئندہ اس کتاب کو شائع نہیں کرے گا۔ مگر اس دوران یہ کتاب دوبارہ بنارس سے شائع ہوئی جس میں بالواسطہ راجپال خود ملوث تھا۔ اس کتاب کے ساتھ ہی اس نے ایک اور زیرِ طبع کتاب کا اعلان کیا جس میں اس نے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرتے ہوئے آئمہ دین پر کیچڑ اچھالا تھا۔ چنانچہ انجمن خدام دین نے راجپال کے قتل کا فتویٰ جاری کیا۔ راجپال کی اس گندی حرکت کے جواب میں ایک غیرت مند مسلمان خدا بخش وہ پہلا انسان تھا جس نے اس شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کیا۔ یہ واقعہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء کا ہے۔ راجپال حسب معمول اپنی دوکان پر کاروبار میں مصروف تھا۔ خدا بخش نے ایک تیز دھار چاقو سے اس پر حملہ کر دیا جس سے راجپال کو چار زخم آئے لیکن یہ زخم جان لیوا ثابت نہ ہوئے۔

غازی خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ اندرونِ یکی گیٹ لاہور کے رہنے والے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم کا نام محمد اکبر تھا اور ان کا تعلق ایک معزز کشمیری گھرانے سے تھا۔ پیشے کے لحاظ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ شیر فروش تھے اور جلد سازی کا کام بھی کیا کرتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جب ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریر سنی تو اس دن سے ہی اس موقع کی تاک میں تھے کہ اس شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کر سکیں۔ غازی خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تیس برس تھی۔ واردات کے دوسرے روز مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ایک دو دن کی مختصر کاروائی کے بعد غازی خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کو سات سال قید سخت جس میں تین ماہ کی قید تنہائی بھی شامل تھی کی سزا سنائی گئی۔ مزید برآں قید کی مدت گزارنے کے بعد پانچ ہزار روپے کی تین ضمانتیں حفظ امن زیر دفعہ ۱۰۴ ضابطہ فوجداری کے تحت داخل کرانے کا حکم دیا گیا اور اگر ضمانتیں جمع نہ کروائی گئیں تو مزید ایک سال کی قید بھگتنی پڑے گی۔ عدالت کے اس فیصلے کے بعد ہندوؤں کے خیالات میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ راجپال کے زخم آہستہ آہستہ مندمل ہونے شروع ہو گئے۔ عدالت کے اس فیصلے کے بعد مسلمانوں کے زخم ایک بار پھر تازہ ہو گئے اور ان کے جذبات میں ایک نیا جوش اور طغیانی عود کر آئی۔

راجپال پر دوسرا قاتلانہ حملہ:

غازی خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کو سات سال کی سخت قید کی سزا مل چکی تھی لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ توہین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کوئی جرم نہیں بلکہ ناموسِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ قانون کی نظر میں جرم بن گیا تھا۔ چنانچہ چند روز بعد ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو راجپال کی دوکان واقع ہسپتال روڈ پر ایک بار پھر اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس مرتبہ ایک اور غیور مسلمان عبدالعزیز تھا جو کہ افغانستان سے بغرضِ تجارت ہندوستان آیا ہوا تھا۔ عبدالعزیز جو کہ بغرض تجارت ہندوستان میں موجود تھا جب اس نے اس شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت سنا تو اس نے اسی دن سے اس کو جہنم واصل کرنے کی ٹھان لی اور موقع کے انتظار میں رہنے لگا۔ عبدالعزیز چونکہ دیارِ غیر میں تھا اور یہاں اس کا کوئی واقف بھی نہیں تھا۔ اس دوران اس کی

کیفیت عجیب وغریب تھی۔ وہ افغانستان واپس گیا اور عزیز واقارب سے ملاقات کے بعد بھی یہ کیفیت طاری رہی۔ بہرحال جب عبدالعزیز دوبارہ ہندوستان آیا تو اس مرتبہ وہ فکر معاش سے آزاد ہو کر اس شاتم رسول ﷺ کو جہنم واصل کرنے آیا تھا۔

لاہور میں رہ کر عبدالعزیز نے چند دن حالات کا جائزہ لیا اور پھر ایک روز انارکلی بازار سے پوچھتا ہوا راجپال کی دوکان پر پہنچ گیا۔ اس وقت دوکان میں کاروباری گفتگو کی غرض سے دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان شاتموں کی گفتگو کا محومرکز مذہب اسلام اور بانی اسلام حضرت محمد ﷺ تھے۔ عبدالعزیز نے ان سے کہا کہ میرے مذہب کی توہین نہ کرو لیکن وہ دونوں باز نہ آئے۔ اس دوران ان میں لڑائی شروع ہوگئی اور دس بارہ ہندو مزید اکٹھے ہو گئے اور مذہب اسلام کے خلاف ہرزہ رسائی کرنے لگے۔ اتفاق سے اس وقت راجپال دوکان میں موجود نہ تھا اور کاروبار اس کا دوست ستیانند چلا رہا تھا۔ عبدالعزیز نے سمجھا کہ یہی وہ شاتم رسول ﷺ ہے جس کی تلاش میں وہ آیا ہے۔ چنانچہ اس نے چاقو نکالا اور اس پر بھرپور وار کر کے اسے شدید زخمی کر دیا۔ اس دوران دوسرے اور کئی لوگ بھی زخمی ہوئے لیکن ان کے زخم کاری نہ تھے۔ اس حادثے کی خبر آن بھر میں پورے شہر میں پھیل گئی اور عبدالعزیز کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ عبدالعزیز نے پولیس کو اپنے بیان میں بتایا کہ وہ افغانستان کا رہائشی ہے اور بغرض تجارت پانچ سال سے ہندوستان میں ہے۔

۱۱ اکتوبر کو مقدمہ عدالت میں مجسٹریٹ کے روبرو پیش ہوا اور سرسری سماعت کے بعد عبدالعزیز کو سوامی ستیانند پر قاتلانہ حملہ کے جرم میں سات سال سخت قید کی سزا سنائی گئی اور اس سزا میں تین ماہ کی قید تنہائی بھی شامل تھی۔ نیز غازی خدابخش کی طرح بعد از مدت معیاد پانچ پانچ ہزار روپے کی تین ضمانتیں لازم قرار دی گئیں بصورتِ دیگر تین سال کی مزید قید کا حکم دیا گیا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا نیا رخ

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک روز حسب معمول اپنے کام پر گئے ہوئے تھے اور بعد غروب آفتاب گھر واپس آ رہے تھے ایسے میں دہلی دروازہ میں لوگوں کے ایک کثیر ہجوم پر ان کی نظر پڑی جہاں ایک شخص تقریر کر رہا تھا۔ اس معاملے کو دیکھنے کے لئے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ وہاں کچھ دیر ٹھہر کر اس کی تقریر کو سنتے رہے لیکن ان کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی تو انہوں نے قریب کھڑے ہوئے ایک شخص سے اس بارے میں دریافت کیا تو اس نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا کہ راجپال نے ہمارے محبوب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک کتاب چھاپی ہے جس کے خلاف تقاریر ہو رہی ہیں۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دل و دماغ میں سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر نے ہلچل پیدا کر دی جس میں انہوں نے کہا کہ مسلمانو! اپنی جانیں قربان کر دو اور اس بدبخت کو قتل کر دو اور اپنی جان کا نذرانہ دینے والو! راجپال کو اس کے انجام تک پہنچا دو۔ راجپال کو اس کے انجام تک پہنچا دو اور ایک جانب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سنی ہوئی باتیں تھیں جو اسے اس بات کا احساس دلا رہی تھیں اور ایسے آقا کے بارے میں اس قسم کی گندی اور گھناؤنی باتیں ان کو سخت تکلیف پہنچا رہی تھیں۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اس مجمع میں ہونے والی تقاریر سے سمجھ گئے کہ راجپال جس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے اس کا قتل واجب ہے اور اسے اس کے گناہ کی سزا دینی ضروری ہے۔ انہیں ان تقاریر سے یہ بھی علم ہوا کہ حکومت

راجپال کی پشت پناہی کر رہی ہے۔

دہلی دروازہ کے اس جلسہ نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ عام مسلمانوں کی طرح ان باتوں سے آگاہ تھے کہ دین اسلام کی بنیاد اللہ عزوجل کی وحدانیت اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور دیگر عام مسلمانوں کی طرح یہ بنیاد ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا محور تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کو لئے گھر روانہ ہو گئے۔ راستہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات اپنے بہترین دوست شیدے سے ہوئی۔ شیدے نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے آج دیر سے آنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شیدے کو دہلی دروازہ میں ہونے والے جلسہ کے بارے میں بتایا۔ پھر شیدے کو کچھ دیر وہیں رکنے کا کہہ کر گھر چلے گئے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ گھر میں داخل ہوئے تو والد بزرگوار چارپائی پر بیٹھے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ انہوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی دریافت کیا کہ آج خیر تھی تم دیر سے آئے ہو؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ نہیں! فارغ تو جلدی ہو گیا تھا مگر راستہ میں کچھ دیر لگ گئی۔ والد بزرگوار نے پوچھا کہ کیا کوئی راستہ میں مل گیا تھا؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ نہیں! آج دہلی دروازہ میں ایک جلسہ تھا وہاں میں بھی تقاریر سننے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ کسی بدبخت نے ہمارے پیغمبر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کتاب لکھی ہے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام جلسہ کی روائیداد والد بزرگوار کے گوش گزار کر دی۔ والد بزرگوار نے پوچھا کہ وہ کون بدبخت ہے جس نے یہ کتاب لکھی ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تقریر کرنے والے حضرات کہہ رہے تھے کہ اس شیطان کو مارنا باعث ثواب ہے۔

حضرت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار طالع مند ایک شریف النفس اور سیدھے سادے مسلمان تھے جو دین اسلام کی بنیادی باتوں کے علاوہ زیادہ کچھ نہ جانتے تھے۔ انہیں بھی معلوم تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا واجب القتل ہے اس لئے انہوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بات سنتے ہی فوراً کہا کہ بیٹا!

وہ ٹھیک کہتے ہیں ایسے بد بخت کو مارنا باعث ثواب ہے۔ والد بزرگوار کی بات سن کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دماغ میں اٹھنے والے جذبات کو گھر سے اجازت مل گئی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اسی سرشاری میں گھر سے باہر نکلنے لگے تو والدہ نے آواز دی کہ بیٹا! کھانا لگا دیا ہے تم کھانا کھالو۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً کہا کہ نہیں ماں جی! باہر شیدا میرا انتظار کر رہا ہے میں اس سے مل کر آتا ہوں۔

یہ کہہ کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ گھر سے باہر نکلے اور اپنے دوست شیدے سے ملنے چلے گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار دوبارہ کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے گھر سے باہر نکلتے اپنے بیٹے پر ایک نظر ڈالی اور کوہاٹ میں کام کی وجہ سے دوبارہ کوہاٹ جانے کا پروگرام بنانے لگے۔ طالع منداس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ ان کا بیٹا آج گھر دیر سے آئے گا۔

حالاتِ زندگی تو ہیں چہرے پہ ہی رقم
تعریف اور اپنی کریں کیا زبان کے ساتھ

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ گھر سے نکلتے ہی اپنے دوست شیدے کے پاس پہنچے جو ان کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر باہم بغلگیر ہوئے اور پھر سریاں والے بازار کی جانب چل دیئے۔ اس دوران دونوں پہلے تو اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے پھر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے اصل موضوع کی جانب آئے اور شیدے سے دریافت کیا کہ کیا اسے معلوم ہے کہ یہ گستاخی کس نے کی ہے؟ شیدے نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ دونوں دوست گفتگو کرتے کرتے واپس گھر کی جانب روانہ ہوئے تو راستہ میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار کے دوست محمد امین صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ محمد امین صاحب کو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ محبت تھی اور وہ ان کا شیدے کے ساتھ پھرنا پسند نہ کرتے تھے کیونکہ شیدا سارادن آوارہ گردی کیا کرتا تھا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ، محمد امین صاحب کو سلام کر کے چل دیئے۔ جب

آپ رحمۃ اللہ علیہ گھر پہنچے تو والد بزرگوار جاگ رہے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ والد بزرگوار سے کوئی بات کئے بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اس دوران محمد امین نے گھر کے دروازہ پر دستک دی۔ طالع مند نے جب اپنے دوست کو دیکھا تو خیریت دریافت کرتے ہوئے انہیں گھر کے اندر بیٹھک میں لاکر بٹھا دیا۔

محمد امین نے طالع مند سے دریافت کیا کہ تم تو آج کوہاٹ جانے والے تھے۔ طالع مند نے جواباً کہا کہ میں کچھ دنوں بعد جاؤں گا۔ پھر محمد امین نے طالع مند سے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس کا شیدے کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اچھا نہیں لگتا تم اسے شیدے کے ساتھ پھرنے سے منع کرو۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ علی الصبح بعد نمازِ فجر اپنے دوست شیدے کے گھر پہنچ گئے اور شیدے کو ساتھ لے کر لوہاری کی جانب چل پڑے۔ دورانِ سفر دونوں کے درمیان دہلی دروازہ میں ہونے والا جلسہ موضوعِ بحث تھا۔ لوہاری پولیس اسٹیشن کے پاس شیدے کا ایک دوست رہتا تھا۔ ان دونوں نے اسے لے اور پرانی انارکلی کی جانب چل دیئے۔ دورانِ گفتگو شیدے کے دوست نے انکشاف کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا شخص راجپال ہے اور اس کی دوکان ہسپتال روڈ پر واقع ہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں شیدے کے دوست کی بات سننے کے بعد عجیب کھلبلی مچ گئی۔ اس دوران یہ تینوں اِدھر اُدھر گھومتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ گھر کی جانب واپس لوٹے تو مسجد وزیر خان کے پاس لوگوں کا ہجوم دیکھا تو وہیں رک گئے۔ پھر وہاں تقاریر شروع ہو گئیں۔ لوگ راجپال کے خلاف قانونی کاروائی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ بعض مقرر یہ بھی کہتے رہے کہ اس بد بخت کو قتل کر دیا جائے جس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے۔ یہ جلسہ نمازِ عشاء تک جاری رہا۔ اس دوران غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ مقررین کی تقریریں سنتے رہے۔ جب جلسہ ختم ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔

والد بزرگوار کی باز پرس:

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو گھر پہنچنے میں دیر ہوگئی تو ان کے والد بزرگوار طالع مند کا غصہ عروج پر پہنچ گیا تھا۔ وہ سارا دن اس بات پر غصہ کھاتے رہے تھے کہ علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) آج کام پر کیوں نہیں گیا؟ اور مغرب کے بعد سے شدید غصہ میں تھے۔ جوں جوں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر آنے میں دیر ہو رہی تھی ان کا غصہ دم بدم بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک مرتبہ وہ غصے کے عالم میں شیدے کے گھر تک جانے کے ارادے سے چارپائی سے اٹھے بھی تھے لیکن علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) کی ماں کے کہنے سننے پر رک گئے تھے۔ گھر کے تمام افراد ان کی پریشانی کے خوف سے دل ہی دل میں لرز رہے تھے لیکن کسی میں بھی جرأت نہ تھی کہ وہ طالع مند کے غصے کو ٹھنڈا کر سکے۔ بہر حال جوں جوں دیر ہوتی جا رہی تھی ان کا غصہ مزید بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ تو یہ بھی نہ جانتے تھے کہ شیدا کون ہے اور کیا کرتا ہے اور اس کا کردار کیا ہے؟

طالع مند اپنی انہیں سوچوں میں گم تھے کہ اچانک محمد دین گھر پہنچ گئے۔ انہوں نے جب والد بزرگوار کا پریشانی اور غصے کے عالم میں دیکھا تو بعد سلام اس غصہ کی وجہ دریافت کی جس پر طالع مند غصہ میں پھٹ پڑے اور نہایت غصے میں محمد دین سے شیدے کے بارے میں دریافت کیا؟ محمد دین نے کہا شیدا، علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) کا دوست ہے اور اس کا باپ مسجد وزیر خان کے سامنے دوکان کرتا تھا جو وہ جوئے میں ہار بیٹھا ہے۔ طالع مند نے جب محمد دین کی بات سنی تو ان کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ محمد دین نے جب والد سے اس ساری گفتگو کی بابت جاننا چاہا تو انہوں نے بتایا کہ رات محمد امین آیا تھا اس نے علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) کی شکایت کی تھی کہ وہ شیدے کے ساتھ کچھ زیادہ ہی اٹھتا بیٹھتا ہے اور علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) آج صبح سے ہی گھر سے غائب ہے اور نہ ہی وہ کام پر گیا ہے۔

محمد دین نے والد کی بات سننے کے بعد کہا کہ آپ علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) کو کچھ نہیں کہیں گے میں خود اسے سمجھا دوں گا۔ نیز آپ کوہاٹ جانے والے تھے کب جا رہے ہیں؟

طالع مند نے جواباً کہا کہ میں دو چار دنوں تک کوہاٹ چلا جاؤں گا اور علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی ساتھ لے جاؤں گا۔

اسی دوران غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ گھر میں داخل ہوئے تو والد بزرگوار کے چہرہ پر غصہ کے آثار دیکھ کر نظریں نیچی جھکا لیں۔ طالع مند نے گھر سے غائب رہنے کی وجہ دریافت کی تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں شیدے کے ساتھ تھا۔ طالع مند شیدے کا نام سن کر غصہ میں مزید بھڑک اٹھے اور کہنے لگے کہ تم سارا دن اس آوارہ لڑکے کے ساتھ تھے اب بھی اس کے پاس جاؤ اور اس کے ساتھ ہی رہو۔ محمد دین نے جب والد کا شدید غصہ دیکھا تو آگے بڑھتے ہوئے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا کہ اس مرتبہ آپ اسے معاف کر دیں آئندہ یہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جبکہ محمد دین انہیں لے کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ اب طالع مند کا غصہ بھی قدرے کم ہو گیا تھا دوسرے کمرے میں جا کر محمد دین کافی دیر تک علم الدین کو سمجھاتے رہے۔ پھر خود اٹھ کر محمد دین کھانا لے کر آئے اور اپنے ساتھ بٹھا کر انہیں کھانا کھلایا اور پھر کہا کہ علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) تم گھر جلدی آ جایا کرو لوگ تمہارے بارے میں باتیں بناتے ہیں۔ پھر انہوں نے محمد امین کے آنے اور ان کی شکایت کے بارے میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا۔ بعد ازاں محمد دین سمجھانے بجھانے کے بعد اپنے کمرے میں چلے گئے۔

والد بزرگوار کی ناراضگی دور ہو گئی:

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اگلے روز بعد نمازِ فجر اپنے اوزار لے کر کام پر روانہ ہو گئے۔ شام کو جب کام سے واپس لوٹے تو والد بزرگوار نے انہیں گلے سے لگا لیا اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلوایا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے دورانِ گفتگو اپنے دیر آنے اور مسجد وزیر خان کے باہر ہونے والے جلسہ کی تمام روئیداد سنائی اور کہا کہ مقررین کہہ رہے تھے کہ بدبخت راجپال واجب القتل ہے۔

لفظ پھر لفظ ہیں جذبوں کو سمیٹیں کیونکر
کیسے کر پاؤں میں اظہارِ عقیدت تجھ سے

طالع مند نے جب بیٹے کی بات سنی تو کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے اسے ایک دن ضرور سزا ملے گی۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ کیا راجپال کو قتل کرنے والے کو سزا ہوگی؟ طالع مند نے بتایا کہ ہاں! کیونکہ کسی کا قتل کرنا قانوناً جرم ہے اور قانون اس بات کو نہیں دیکھتا کہ قتل کرنے کے پیچھے محرکات کیا تھے؟

طالع مند کی بات سننے کے بعد غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے اور اپنے باپ کا چہرہ غور سے دیکھنا شروع ہو گئے۔ اس دوران محمد دین گھر میں چلے آئے۔ طالع مند نے جب محمد دین کو دیکھا تو کہا کہ میں آئندہ دو چار روز میں کوہاٹ چلا جاؤں گا۔ کوہاٹ سے واپس آنے کے بعد میں علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) کی شادی کر دوں گا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب والد بزرگوار کی بات سنی شرما کر وہاں سے ہٹ گئے۔ محمد دین، باپ طالع مند کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور پھر دونوں کافی دیر تک محو گفتگو رہے۔

طوفانِ لامتناہی

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ چونکہ سارا دن کام کر کے تھکے ہوئے تھے اس لئے باپ اور بھائی کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئے اور بستر پر لیٹ گئے۔ تھکاوٹ کی وجہ سے نیند جلدی آ گئی۔ آدھی رات کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا جو ان سے کہہ رہے تھے کہ علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ)! کیا تم ابھی بھی ہوش میں نہیں آئے اور نیند کے مزے لوٹ رہے ہو۔ دین اسلام کے دشمن تمہارے رسول حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کر رہے ہیں۔ اٹھو اور فوراً سے بیشتر بد بخت راجپال کو جہنم واصل کر دو۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ بات سنی تو گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تمام جسم اس وقت پسینہ میں شرابور تھا۔ اس خواب کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دوبارہ نیند نہ آئی یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد اپنے اوزار اٹھا کر گھر سے نکل پڑے اور سیدھے شیدے کے گھر پہنچے۔ شیدا اس وقت نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) آیا ہے تو وہ فوراً اٹھ کر باہر آیا اور صبح سویرے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے گھر دیکھ کر حیرانگی کا مظاہرہ کیا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شیدے کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے کہا کہ وہ جلدی تیار ہو کر آئے۔ شیدا جب تیار ہو کر آیا تو دونوں دوست لوہاری کی جانب چل دیئے۔ بعد ازاں لوہاری سے ہوتے ہوئے بھاٹی پہنچ گئے اور بھاٹی دروازہ کے سامنے کھلے میدان میں بیٹھ کر گفتگو کرنا شروع کر دی۔

شیدے نے ایک مرتبہ پھر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے صبح سویرے آنے کی

وجہ دریافت کی تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا خواب بیان کر دیا۔ شیدے نے جب خواب سنا تو وہ بھی حیران ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے دوست کو اس خواب کی کیا تعبیر بتائے کیونکہ اسی طرح کا خواب اس نے بھی رات کو دیکھا تھا۔ شیدے نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا کہ اسی قسم کا خواب اس نے بھی دیکھا ہے اور وہ بھی رات سے اس خواب کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ پھر دونوں دوستوں میں بحث چھڑ گئی اور دونوں ہی بد بخت راجپال کو قتل کرنا چاہتے تھے۔

قرعہ اندازی:

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شیدے کا دوٹوک انداز دیکھ کر کہا کہ شیدے! خواب ہم دونوں نے دیکھا ہے اس لئے اس بات کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے ہوگا کہ اس خواب پر عمل درآمد کون کرے گا؟ شیدے نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بات مان لی اور پھر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے زمین سے کاغذ کا ٹکڑا اٹھا کر اسے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے ایک حصہ شیدے کو دیا اور کہا کہ اس پر تم اپنا نشان لگاؤ دوسرے حصہ پر میں اپنا نشان لگاتا ہوں۔ نشان لگانے کے بعد غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کی گولیاں بنائیں اور زمین پر پھینک دیں۔ پھر نزدیک سے گزرتے ہوئے ایک نوعمر لڑکے سے ایک گولی اٹھانے کا کہا۔ جب اس لڑکے نے گولی اٹھا کر انہیں دی تو اس پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا نشان لگا ہوا تھا۔

شیدے نے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور اصرار کیا کہ ایک مرتبہ پھر گولی پھینکی جائے۔ الغرض تین مرتبہ ایسا کیا گیا اور تینوں مرتبہ ہی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا نام نکلا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی اس خوش قسمتی پر فخر کر رہے تھے۔ بعد ازاں دونوں دوست وہاں سے اٹھے، شیدا گھر چلا گیا اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کام پر چلے گئے۔

طالع مند جب صبح اٹھے تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو گھر میں موجود نہ پا کر حیران ہوئے۔ گھر والوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد

ہی اوزار اٹھا کر کام پر چلے گئے تھے۔ طالع مند گھر والوں کی بات سن کر پریشان ہو گئے کہ ایسا کون سا ضروری کام تھا کی علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) صبح سویرے گھر سے چلے گئے۔ طالع مند یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں بد بخت راجپال کو قتل کرنے کا منصوبہ بن رہا ہے۔

شیدا جب گھر پہنچا تو اس کی والدہ نے اس سے علی الصبح گھر سے باہر جانے پر باز پرس کی تو شیدے نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے درمیان گفتگو کو صیغۂ راز میں رکھتے ہوئے کہا کہ علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) کو میرے ایک جاننے والے کے گھر کام کرنا تھا میں اسے اس کے گھر تک چھوڑنے گیا تھا۔

شیدے کے چلے جانے کے بعد غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ لوہاری پولیس اسٹیشن پہنچے اور وہاں اپنے خیالات پر غور کرتے رہے۔ بعد ازاں انہی خیالات کے زیر اثر وہ دوبارہ بھاٹی پہنچ گئے۔ آج آپ رحمۃ اللہ علیہ کا دل کام کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا اس لئے گھر کی جانب واپس روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچے تو اپنے اوزار متعلقہ جگہ پر رکھنے کے بعد اپنے کمرے میں چلے آئے۔

والدہ نے طبیعت کے بارے میں دریافت کیا تو کہنے لگے کہ آج طبیعت کچھ ناساز محسوس ہو رہی ہے اس لئے گھر جلدی آ گیا ہوں۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی چارپائی پر لیٹ گئے اور آنکھیں بند کر کے دماغ میں اٹھنے والی باتوں کے بارے میں غور کرنے لگے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں کے سامنے بار بار وہ منظر ابھر رہا تھا کہ راجپال کو انہوں نے جہنم واصل کر دیا ہے اور اس کی لاش خون میں لت پت اس کی دوکان میں پڑی ہے اور انہیں پولیس گرفتار کر کے لے جا رہی ہے۔

خواب میں دوبارہ حکم ہونا:

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی انہی سوچوں میں گم تھے کہ انہیں نیند آ گئی۔ دورانِ نیند آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پھر انہی بزرگ کو دیکھا۔ ان بزرگ نے ایک مرتبہ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ

سے کہا کہ علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ)! دیر نہ کرو یہ اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اس مردود کو جہنم واصل کرو اگر تم نے اس کام میں دیر کی تو پھر یہ نیک سعادت کسی اور کو حاصل ہو جائے گی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ ابھی ان بزرگ سے بات کرنے کا ارادہ رکھتے تھے کہ والد بزرگوار طالع مند نے جھنجھوڑتے ہوئے اٹھایا اور دریافت کیا کہ بیٹا! آج تم علی الصبح کام پر چلے گئے اور پھر واپس بھی آ گئے کیا بات ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آج میری طبیعت کچھ بہتر نہیں ہے اس لئے میں جلد واپس آ گیا۔ انشاء اللہ کل سے کام پر جاؤں گا آپ میری طبیعت کے بارے میں زیادہ فکرمند نہ ہوں میں جلد بہتر ہو جاؤں گا۔

طالع مند نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بات سنی تو کہا کہ میں نے پرسوں کوہاٹ جانے کا فیصلہ کیا ہے، تمہیں بھی میرے ساتھ وہاں جانا ہوگا اس لئے تم کل آرام کرو اور کام پر مت جانا۔ یہ کہہ کر طالع مند، غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ سے باہر چلے گئے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ والد بزرگوار کی بات سننے کے بعد سوچ میں گم ہو گئے کیونکہ اب ان کے پاس بدبخت راجپال کو جہنم واصل کرنے کے لئے زیادہ وقت نہ تھا۔

بدبخت راجپال جہنم واصل ہو گیا

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کی بات سننے کے بعد سوچ میں گم ہو گئے۔ دوپہر کے وقت والدہ نے اصرار کیا تو کھانا کھا کر دوبارہ بستر پر لیٹ گئے۔ غروبِ آفتاب کے وقت بستر سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور والد بزرگوار کو گھر میں موجود نہ پا کر اپنی ٹارچ اور چھتری اٹھا کر گھر سے باہر نکل گئے۔ شیدے کے گھر پہنچ کر شیدے کو بلایا اور پھر دونوں دوست ایک تھڑے پر جا کر بیٹھ گئے۔ شیدے نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے پروگرام کے بارے میں دریافت کیا تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شیدے کو ایک مرتبہ پھر تمام باتیں راز میں رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے اپنی ٹارچ، چھتری اور کلائی کی گھڑی دیتے ہوئے کہا کہ یہ میری چیزیں تمہیں میری یاد دلاتی رہیں گی۔

شیدے نے جب اپنے جگری دوست کی باتیں سنیں تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر دونوں باہم گلے ملے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شیدے کے بازوؤں سے علیحدہ ہوتے ہوئے اپنے دوسرے خواب کے بارے میں بتایا۔ شیدے نے خواب سننے کے بعد کہا کہ علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ)! مجھے تمہاری قسمت پر رشک آتا ہے۔ اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہو گی کہ تم گستاخِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم واصل کرو گے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شیدے سے کہا کہ تم میرے حق میں دعائے خیر کرنا کہ میں اپنے اس نیک ارادے میں کامیاب ہو جاؤں۔

اس کے بعد غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شیدے سے اجازت طلب کی اور ایک مرتبہ پھر بغل گیر ہو کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ بعد ازاں دونوں دوست اپنے اپنے گھر

کو واپس لوٹ گئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ گھر پہنچے تو والد بزرگوار ابھی گھر تشریف نہ لائے تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے کمرے میں چلے گئے جہاں والدہ نے کھانا دیا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سیر ہو کر کھانا کھایا جیسے کئی دنوں سے فاقہ کشی کی حالت میں ہوں۔اس دوران طالع مند بھی گھر تشریف لے آئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ رات دیر تک اپنے ہی خیالات میں مگن رہے اور راجپال کے قتل کے منصوبے بناتے رہے۔انہیں خیالات میں نہ جانے ان کی کب آنکھ لگ گئی اور وہ نیند میں کھو گئے۔ صبح کو جب ان کی آنکھ کھلی تو دن نکل چکا تھا۔

۱۴ اپریل ۱۹۲۹ء کی صبح تھی۔طالع مند صبح ہی صبح اپنے اوزار تیز کر رہے تھے کیونکہ انہیں اگلے دن غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ کوہاٹ جانا تھا۔طالع مند کے ساتھ ہی محمد دین کی زوجہ اپنی بچی کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔محمد دین اپنے کمرے میں بیٹھے کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ گھر کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھیں۔غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ماں کے پاس جا کر لاڈ سے کہا کہ ماں جی! آج میٹھے چاول کھانے کو دل کر رہا ہے آپ آج وہ پکالیں۔ماں نے کہا کہ علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ)! صبر کرو گھر کا کچھ کام باقی رہ گیا میں اس سے فارغ ہو کر تمہیں میٹھے چاول پکا کر کھلا دوں گی۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ماں کا جواب سن کر اپنے باپ کے پاس آ کر بیٹھ گئے جو ابھی تک اپنے اوزاروں کی درستگی میں مصروف تھے۔کچھ دیر ان کے پاس بیٹھے رہنے کے بعد وہ اٹھے اور غسل خانے میں جا کر پانی کا ٹب بھرا اور خوب اچھی طرح غسل کیا اور لباس بدلا، پھر خوشبو لگائی اور اپنے کمرے میں جا بیٹھے۔تھوڑی دیر بعد ماں میٹھے چاول پکا کر لے آئیں اور طالع مند کے پاس لے کر آن بیٹھی اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو پکارا۔غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ماں کی آواز سنی تو باہر آ کر باپ کے پاس بیٹھ گئے اور پھر باپ بیٹا دونوں نے مل کر میٹھے چاول کھائے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ابھی میٹھے چاولوں کے چند نوالے ہی کھائے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھ کر دروازہ پر جا کر معلوم کیا تو پتا چلا کہ کوئی آدمی ان کے والد طالع مند سے ملنے کا خواہاں ہے اور انہیں باہر بلا رہا ہے۔ جس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد کو بلایا اور وہ وہاں آ گئے اور اس نوجوان سے بات چیت کرتے رہے اور پھر اس کے ساتھ گھر سے چلے گئے۔

کھانے سے فارغ ہو کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ننھی بھتیجی کو بوسہ دیا جو سو رہی تھی۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بھابھی سے چار آنے مانگے اور ان کے دریافت کرنے پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ مجھے ضرورت ہے حالانکہ پہلے آپ رحمۃ اللہ علیہ کبھی کسی سے بھی رقم نہ لیا کرتے تھے۔ بھابھی سے چار آنے لے کر انہوں نے اپنی جیب میں موجود ان پیسوں میں شامل کئے جو پہلے سے ان کی جیب میں تھے اور تعداد میں بارہ آنے تھے جس سے ان کے پاس ایک روپیہ ہو گیا۔ پھر کچھ دیر تک والدہ سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہے اور چہرے پر مسکراہٹ بکھیرے گھر سے باہر آ گئے۔ اس دوران باپ ابھی تک گھر واپس نہیں آئے تھے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے گھر سے باہر تھوڑا سا وقت حاجی صادق دودھ دہی والے کی دوکان پر گزارہ اور پھر وہاں سے گمٹی بازار کی جانب چل دیے جہاں پہنچ کر انہوں نے ادھر ادھر گھوم پھر کر وقت گزارہ اور پھر آتمارام نامی ایک کباڑیے کی دوکان پر جا پہنچے جو چاقو چھریاں ڈھیر لگا کر بیچ رہا تھا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے آتمارام کی دوکان سے ایک تیز دھار چھری اٹھائی اور اس کی قیمت دریافت کی۔ آتمارام نے اس کی قیمت ایک روپیہ بتائی۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جیب سے پیسے نکالے اور وہ ایک روپیہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور چھری اپنی چادر کی ڈھب میں دبوچ لی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کوئی سوال نہ کیا اور نہ ہی چھری کی قیمت کی کمی کے بارے میں کوئی تکرار کی۔ آتمارام ابھی ان کو غور سے دیکھ ہی رہا تھا کہ اتنے میں کسی دوسرے گاہک نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔ اب غازی علم

الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے شاہ عالمی کی جانب چل دیئے اور اس کی نظروں سے جلد ہی اوجھل ہو گئے۔ اس وقت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت دیدنی تھی ان کی روح سرشاری سے جھوم رہی تھی۔

شاہ عالمی سے ہوتے ہوئے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ لوہاری پولیس اسٹیشن کے پاس پہنچے تو وہاں پولیس کے چند جوانوں کو کھڑے دیکھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ڈھب میں موجود چھری کا جائزہ لیا اور پھر بڑے مطمئن انداز میں انارکلی بازار میں داخل ہو کر ہسپتال روڈ کی جانب مڑ گئے' اس وقت دن کے ایک بج کر پچاس منٹ ہو چکے تھے۔ راجپال کا دفتر ہسپتال روڈ پر قطب الدین ایبک کے مزار سے تھوڑا پہلے عشرت پبلشنگ ہاؤس کی دوکان کے سامنے واقع تھا۔ جس میں شیطان صفت راجپال اپنا کاروبار کیا کرتا تھا۔ دفتر سے ذرا پہلے لکڑی کا ٹال تھا جس کے ساتھ ایک چھوٹا سا کھوکھا بنا ہوا تھا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں پہنچ کر کھوکھے کے اندر بیٹھے ہوئے ایک نوجوان سے استفسار کیا کہ راجپال کا دفتر کون سا ہے اور کیا اس سے اس وقت ملاقات ہو سکتی ہے؟ اس نوجوان نے بتایا کہ راجپال کا دفتر ساتھ ہی میں ہے وہ ابھی تک نہیں آیا ہے۔ جس وقت وہ دفتر میں ہوتا ہے تو پولیس کے جوان اس کے دفتر کے آگے پہرا دے رہے ہوتے ہیں۔

اس نوجوان کی بات سن کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کھوکھے کے باہر بچھے ہوئے ایک بنچ پر بیٹھ گئے اور راجپال کے انتظار میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر گزری ہو گی کہ دفتر کے عین آگے ایک کار آن کر رکی۔ کار کا دروازہ کھلا تو اس میں سے ایک شخص نکلا جسے دیکھتے ہوئے اس نوجوان نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا کندھا ہلا کر اسے اشارے سے بتایا کہ یہی راجپال ہے جس نے کتاب چھاپی ہے۔ راجپال اپنے دفتر میں چلا گیا اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور ان کے کانوں میں خواب والے بزرگ کے الفاظ یاد آنے لگے کہ علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) جلدی کرو کہیں کوئی اور بازی نہ لے

جائے۔ان الفاظ کے ٹکراتے ہی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ تیزی سے اٹھے اور دفتر کی جانب روانہ ہو گئے۔کھوکھے والا وہ نوجوان گہری نظروں سے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جانب دیکھ رہا تھا۔

راجپال ہردوار سے واپس آیا تھا اور دفتر میں جا کر اپنی کرسی پر بیٹھا اور پھر پولیس کو اپنی آمد کی خبر دینے کے لئے ٹیلی فون کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اتنے میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ دفتر کے اندر داخل ہوئے۔اس وقت راجپال کے دفتر میں دو ملازم بھی موجود تھے۔ان میں سے ایک کدار ناتھ پچھلے کمرے میں کتابیں رکھ رہا تھا جب کہ دوسرا ملازم بھگت رام راجپال کے پاس ہی کھڑا تھا۔راجپال نے درمیانے قد کے گندمی رنگت والے نوجوان کو دفتر میں داخل ہوتے دیکھا تو اس نے انہیں کوئی عام گاہک تصور کیا جبکہ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اذن الٰہی آچکا ہے اور موت کا فرشتہ اس نوجوان کی شکل میں اس کی جان لینے کے لئے آن پہنچا ہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اندر داخل ہو کر راجپال کی میز کے آگے رکے جس کے پیچھے وہ بیٹھا ہوا تھا اور ٹیلی فون پر اس کا ہاتھ رکھا ہوا تھا۔راجپال اور موت کے درمیان انتہائی کم فاصلہ رہ گیا تھا۔اتنے میں رام بھگت وہاں سے ہٹ کر ایک الماری کی جانب بڑھ گیا تا کہ کتابوں کی جھاڑ پونچھ کر سکے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بغور راجپال کو دیکھا اور اس کے چہرے پر ثبت خباثت سے سمجھ گئے کہ یہی راجپال ہے۔اس کے ساتھ ہی ایک ساعت ضائع کئے بغیر انہوں نے اپنی ڈھب سے وہی تیز چھری نکالی اور انتہائی گہری نظروں سے اپنے نشانے کو تاکا تیزی سے ہاتھ کو فضا میں بلند کیا اور سیدھا اس کے جگر پر دے مارا۔چھری کا پورا پھل انتہائی برق رفتاری سے راجپال کے سینے میں ہڈیوں کو کڑکڑاتا ہوا جگر میں پھنس گیا۔اس تیز رفتاری کے ایک ہی وار نے اپنا کمال دکھایا۔راجپال کے منہ سے ہائے کا لفظ نکلا اور بلا تامل وہ اوندھے منہ زمین پر جا گرا۔

راجپال کے گرتے ہی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تیزی سے اپنی چھری کو کھینچا جس سے راجپال کے سینے سے خون کا فوراہ انتہائی تیزی سے ابلنے لگے۔ راجپال کے زور سے ہائے کرنے کی آواز سن کر کدار ناتھ اس جانب لپکا لیکن غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں خون آلود چھری دیکھ کر وہ وہیں خوفزدہ ہو کر رک گیا اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتابیں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اچھال دیں لیکن ان میں سے کوئی بھی کتاب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو نہ لگی۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب صورتحال کا جائزہ لیا تو راجپال دم توڑ چکا تھا۔ یہ دیکھ کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ الٹے پاؤں باہر کی جانب تیزی سے لپکے۔ یہ دیکھ کر کدار ناتھ اور بھگت رام دونوں شور مچانے لگے اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے شور مچاتے ہوئے لپکے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے کہ پکڑو وہ مار گیا' وہ راجپال کو مار گیا ہے۔

راجپال کے دفتر والی بلڈنگ کی اوپری منزل میں روزنامہ ''گوروگھنٹال'' کا دفتر تھا جس کا مالک شام کپور اس وقت دیوان وزیر چند کے ساتھ بیٹھا کسی مسئلے پر بحث کر رہا تھا۔ اچانک جب شور سنائی دیا تو دیوان وزیر چند نے اٹھ کر کھڑکی سے نیچے جھانکا۔ اسے راجپال کے دفتر کے آگے کتابیں ہی کتابیں نظر آئیں اور اس نے ایک نوجوان کو تیزی سے ہسپتال روڈ کی جانب بھاگتے ہوئے دیکھا جس کے پیچھے لوگ پکڑو پکڑو کی آواز لگائے بھاگ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ اوپر سے ہی چیخ و پکار کرنے لگا اور پھر تیزی سے کھڑکی سے ہٹ کر سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا اور اس نوجوان کی جانب لپکا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ وہاں ستیارام سوداگر چوب کی دکان کے اندر گھس گئے اور نلکے پر جا کر اپنے ہاتھ ڈھونے لگے۔ راجپال کے گندے خون سے اپنے ہاتھ صاف کئے اور پھر واپس لپکے۔ لیکن آگے ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا اور شور مچا رہا تھا۔ اتنے میں ستیارام کے بیٹے دریانند نے انہیں پکڑ لیا جو اس وقت شور سن کر اپنے دفتر سے باہر آیا تھا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ صورتحال دیکھی اور لوگوں کا شور وغل سنا

تو اس کے جواب میں بلند آواز سے پکارا کہ لوگو! سنو: میں نے ایک ہندو کو نہیں ایک شیطان کو مارا ہے اور میں نے اس سے اس کی گستاخی رسول اللہ ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔ میں نے توہین رسول اللہ ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔ اتنے میں دیوان وزیر چند بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس کے دریافت کرنے پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے دوکان سے کچھ نہیں چرایا بلکہ میں نے تو گستاخِ رسول اللہ ﷺ کو جہنم واصل کیا ہے اور اس سے اپنے رسول حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کا بدلہ لیا ہے۔

لوگوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو گھیرے میں لے لیا اور انہیں پکڑ کر پھر سے راجپال کے دفتر کی جانب لے آئے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ راجپال جہنم واصل ہو چکا ہے اور اس کی خون میں ڈوبی ہوئی لاش آپ رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں کے سامنے موجود تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ اس بدبخت کے چہرے کو دیکھ کر سرخ ہو گیا اور ایک عجیب سی سرشاری چہرے پر عود آئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے با آوازِ بلند کہنا شروع کر دیا:

> ”میں نے اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو جہنم واصل کر دیا ہے۔“

اس وقت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر جو سرشاری کی کیفیت تھی اس سے وہ تمام اندیشے مٹ گئے کہ کہیں میں بھی دوسروں کی طرح ناکام نہ ہو گیا ہوں لیکن اس بدبخت کی لاش کو دیکھ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نہایت مطمئن تھے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کا بدلہ اس مردود سے لے لیا ہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب راجپال کو جہنم واصل کیا تو اس کے قتل کی خبر کچھ ہی دیر میں سارے شہر میں پھیل گئی۔ ہندو آریہ سماج کے نوجوان آریہ سماج کی جے جے کے نعرے لگاتے ہوئے ہسپتال روڈ پر جمع ہو گئے۔ دیوان وزیر چند نے ایک شخص کو لوہاری تھانہ بھیجا جہاں اس وقت ڈیوٹی پر کانسٹیبل برکت علی موجود تھا۔ برکت علی کو جب راجپال کے قتل کی خبر ملی تو وہ اپنے ساتھ چند سپاہی لے کر موقعہ واردات پر پہنچا اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے تھانہ لے آیا۔ بعدازاں راجپال کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے میو ہسپتال پہنچا دی گئی۔ برکت علی کانسٹیبل نے موقعہ واردات سے خون آلود چھری کو قبضہ میں لیا اور جائے وقوع کا معائنہ کرنے کے بعد ابتدائی رپورٹ مرتب کی۔

راجپال کے قتل کی باقاعدہ رپورٹ کیدارناتھ نے انارکلی تھانہ میں درج کروائی۔ بھگت رام اور کیدارناتھ اس مقدمہ کے عینی گواہ بنے۔ پرمانند اور نانک جنہوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو پکڑا تھا ان کے بیانات بھی تحریر کروائے گئے۔ آتما رام نے بھی اپنا بیان تحریر کروایا کہ اس شخص نے مجھ سے چھری خریدی تھی اور میں اپنی اس چھری کو پہچانتا ہوں۔ اس دوران جائے وقوعہ پر سپرنٹنڈنٹ پولیس، انسپکٹر جنرل اور مجسٹریٹ حضرات بھی پہنچ چکے تھے تاکہ مجمع کو قابو میں رکھا جا سکے۔

پولیس انسپکٹر جواہر لعل پولیس چوکی لوہاری پہنچا جہاں اس نے لوگوں کی موجودگی میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے کپڑے اتروائے کپڑے اتارنے کی کاروائی خوش حال چند نے اپنے سامنے کروائی جو اس زمانے میں قلعہ گوجر سنگھ میں دوکانداری کرتا تھا۔ جواہر

لعل نے کپڑوں کا پارسل بنایا۔ پارسل بنانے سے پہلے خون آلود حصہ قمیض اور تہبند سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ ان سب ٹکڑوں کو سر بمہر کر دیا گیا۔ بعد ازاں ایک فرد ضبطی بنا کر اس پر خوش حال ہندو اور دوسرے گواہان کے دستخط ثبت کروائے اور اس طرح ساری کاروائی کو مکمل کیا گیا۔

راجپال کی نعش کا پوسٹ مارٹم ڈاکٹر ڈارسن نے کیا۔ جنہوں نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں لکھا کہ راجپال کی دونوں انگلیاں، سر، چھاتی، پٹھے اور کلیجہ بری طرح زخمی ہوا۔ کلیجہ کے نزدیک پسلی کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی، چھاتی کے بائیں جانب ایک انچ لمبا اور قریباً ساڑھے تین انچ چوڑا زخم تھا جس کی گہرائی سات انچ کے قریب تھی جبکہ بائیں پٹھے کے نزدیک بھی گہرا زخم موجود تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق راجپال کو ایک درجن سے زیادہ زخم آئے تھے اور موت کا باعث کلیجے پر لگنے والا گہرا زخم تھا۔

بدبخت راجپال کے قتل کی خبر پر ہندو آریہ سماج کے غنڈے ہسپتال روڈ پر اکٹھے ہو چکے تھے جس کی وجہ سے شہر کی فضا میں شدید خوف و ہراس کی کیفیت پائی جاتی تھی۔ خطرہ تھا کہ کہیں ہندو مسلم فسادات شروع نہ ہو جائیں۔ لاہور کے مجسٹریٹ روشن لال نے فوری طور پر ایمرجنسی لگاتے ہوئے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ اس روز روزنامہ ''زمیندار'' کی جانب سے میونسپلٹی باغ میں کانگریس کی جانب سے ایک جلسہ بھی رکھا گیا تھا جسے فوری طور پر روک دیا گیا تاکہ ہندو مسلم فسادات کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والے مشکلات کی زد میں

راجپال کے قتل اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری جب گھر پہنچی تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا سارا خاندان سکتے میں آ گیا اور ان کے گھر میں پورے محلّہ کی عورتوں کا جم غفیر لگ گیا۔ طالع مند اور محمد دین اس وقت گھر میں موجود نہ تھے۔ طالع مند کو یہ خبر کشمیری بازار میں ملی تو وہ ایک لمحہکے لئے سکتہ میں آ گئے مگر خود کو سنبھلاتے ہوئے تیزی سے گھر کی جانب بھاگے۔ جب گھر پہنچے تو ایک ہجوم کو اپنے گھر کے دروازہ پر موجود پایا۔ پھر ہجوم کو چیرا اور گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ کچھ ہی دیر میں محمد دین بھی گھر پہنچ گئے۔ ابھی صورتحال کا اندازہ بھی نہ ہوا تھا کہ پولیس وہاں پہنچ گئی جس کو دیکھ کر ہجوم منتشر ہو گیا۔ پولیس کے آفیسرز نے گھر کے دروازے پر چند مسلح سپاہیوں کی ڈیوٹی لگائی اور خود اندر جا کر طالع مند کو بلا کر بتایا کہ اس کے بیٹے کے ہاتھوں راجپال مارا جا چکا ہے اور ان کے بیٹے کو اس کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔

طالع مند پولیس آفیسرز کی بات سن کر نہایت حیرانگی سے ان کا منہ دیکھنے لگے۔ بڑی مشکل سے محلے کی عورتوں کو گھر سے باہر نکالا گیا اور طالع مند کو گھر کا دروازہ بند کرنے کا کہہ کر پولیس آفیسرز گھر سے باہر نکل گئے اور پولیس کے جوانوں نے محلّہ کی مختلف جگھوں پر اپنی پوزیشنوں کو سنبھال لیا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا دوست شیدا گھر میں بیٹھا مختلف سوچوں میں گم

تھا۔ اچانک اس کی طبیعت بے چین ہوئی اور وہ گھر سے باہر نکل کر مسجد وزیر خان کی جانب چل دیا۔ راستہ میں اس کی ملاقات اپنے ایک دوست سے ہوئی جس نے شیدے کو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اقدام اور اس کی گرفتاری کی خبر دی۔ شیدا' غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری کی خبر سن کر سکتے میں آ گیا۔ جب ہوش آیا تو بھاگتا ہوا غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پہنچا جہاں پولیس والوں کو دیکھ کر واپس لوٹ آیا۔

شیدے نے گھر واپس پہنچنے کے بعد اپنے کمرے کا رخ کیا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے زاروقطار رونا شروع کر دیا۔ کچھ دیر رونے کے بعد جب طبیعت سنبھلی تو دل میں ارادہ کرنے لگا کہ ہر صورت میں اپنے دوست کے گھر والوں کی مدد کرے گا تاکہ وہ کسی قسم کی مصیبت میں مبتلا نہ ہو سکیں۔

۷ا اپریل کی صبح تک سارے لاہور کو پولیس نے اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ لاہور کے تمام بازار بند کر دیئے گئے تھے۔ تمام بڑے بازاروں میں پولیس گشت کر رہی تھی اور پولیس کا یہ گشت پیدل سواروں' گھڑ سواروں اور موٹر سائیکل سواروں پر مشتمل تھا۔

اس تمام واقعہ کے بعد سے سارا شہر ایک عجیب ماحول پیش کر رہا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے جذبات بھڑک رہے تھے۔۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والے ان مشکل حالات میں گھر کے اندر بالکل محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ پولیس کے سر پر ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ کسی بھی طرح ہندوؤں کے جلوس یا کسی گروہ کو محلہ کوچہ چابک سواراں میں داخل نہ ہونے دے تاکہ وہ لوگ غازی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والوں کو کسی بھی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ طالع مند کے لئے گھر کے لئے ضروریات کا سامان بھی حاصل کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ گھر کے نچلے حصہ سے لالٹین لٹکاتے اور ایک جوان اس میں مٹی کا تیل بھر دیتا۔ اس طرح دوسرا سامان ضرورت بھی اسی طریقے سے حاصل کرنا پڑتا تھا جس سے ان کے گھر میں بے پناہ مشکلات پیدا ہو چکی تھیں' لیکن ماسوائے صبر کے اب ان کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا۔

شیدے نے جب سے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری کا سنا تھا اس کا حال بہت برا تھا۔ اس کا احساس ذمہ داری اسے کچوکے دے رہا تھا لیکن اس کی سمجھ میں یہ بات بالکل نہیں آتی تھی کہ ان حالات میں وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ کبھی وہ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن جاتا کہ کسی طرح اس کی ملاقات غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ہو سکے اور وہ اس کا حال احوال جان سکے اور اپنے من کی بات اسے بتا سکے لیکن پولیس کسی بھی صورت میں اسے ملنے نہیں دے رہی تھی اور جب وہ وہاں سے گھبرا کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کی طرف بھاگتا ہوا پہنچتا تو پولیس یہاں بھی اس کی راہ میں مزاحم ہوتی اور کسی بھی صورت طالع مند اور محمد دین سے اسے ملاقات نہ کرنے دیتی۔ مجبوراً وہ بے بسی کا نمونہ بنا گھر کے عین سامنے چپ چاپ کھڑا رہتا اور جس وقت بھی گھر والوں کو کسی ضرورت کا احساس ہوتا اور طالع مند اوپر سے رسی میں بندھا ہوا برتن لٹکاتے وہ بھاگ کر آگے ہوتا اور ان کے حکم کے مطابق سارا سودا سلف لا کر اس میں ڈال دیتا جسے وہ اوپر کھینچ لیتے۔

اس تمام معاملہ میں شیدے کو کئی مرتبہ پولیس تشدد کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن وہ اپنی اس ذمہ داری سے غافل نہ ہوا۔ صبح منہ اندھیرے سے لے کر رات گئے تک وہ اسی طرح پنڈولم کی طرح گھومتا رہتا تھا۔ دوسری جانب شیدے کے گھر والے شیدے کی اس قسم کی سرگرمیوں سے سخت نالاں تھے۔ انہوں نے ایک دن رات کے وقت شیدے سے اس معاملے میں باز پرس کی اور پوچھا کہ اسے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کیا لگاؤ ہے؟ جو یوں حواس باختہ سارا دن گھر سے غائب رہتا ہے اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کے باہر کیوں پہرہ دیتا رہتا ہے؟ کیوں وہ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالے ہوئے ہے؟ اس پر شیدے نے کہا کہ اگر اس طرح میری جان چلی جاتی ہے تو چلی جائے لیکن میں علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) کے گھر اور پولیس اسٹیشن کے چکر لگانے سے باز نہیں رہ سکتا۔

یہ کہہ کر شیدے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے جس پر اس کے والدین گھبرا گئے اور انہوں نے اصل بات بتانے پر زور دیا۔ والدین کی ضد کے سامنے شیدے نے ہتھیار ڈال

دیئے اور اس نے اپنا خواب، پرچیاں ڈالنے اور قرعہ اندازی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام نکلنے کا سارا واقعہ بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ اسے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ اس کا نام اس سعادت کے لئے نہیں نکلا۔ شیدے کی بات سن کر اس کے باپ نے فوری طور پر اپنے بیٹے کو اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا کہ تم تو کچھ اور ہی نکلے جبکہ میں تمہیں کچھ اور ہی سمجھتا تھا۔ مجھے تو اس بات کا علم ہی نہ تھا کہ تم تو کسی اور راہ کے راہی ہو۔ جاؤ آج سے میری طرف سے تجھے اجازت ہے جیسا بھی بنے اپنی دوستی نبھاتا رہ اور اس معاملے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہ کرنا اور نہ ہی باوصف مشکلات کے پیچھے ہٹنا۔

شیدے کو اگر کسی طرح دلی تسلی ملتی تھی تو وہ یہ کہ اللہ عزوجل نے اس کے دوست غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس مقصد کے لئے چنا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں وہ اس کے والدین کا خیال رکھ کر اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا حق دوستی ادا کر رہا ہے اور اللہ عزوجل ہی اس کا اجر اسے بھی دینے والا ہے۔ اب چونکہ شیدے کی راہ کی رکاوٹ والدین کی باز پرس ختم ہو چکی تھی اس لئے شیدا اب نمازِ فجر کے ساتھ ہی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے محلہ میں پہنچ کر اپنا مورچہ سنبھال لیتا اور کسی بھی قسم کے خطرے کی پرواہ کئے بغیر پروانہ ملتے ہی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر والوں کی خدمت انجام دینے کی حتی الوسع کوشش کرتا رہتا تھا۔ بعد ازاں جب طالع مند کو اصل حقیقت قرعہ اندازی معلوم ہوئی تو وہ بہت پچھتائے کہ انہوں نے شیدے جیسے لڑکے پر کیوں برا گمان کیا اور اسے شک کی نظروں سے دیکھا۔ طالع مند کو اپنی اس بات کا دکھ ساری زندگی رہا۔

دوران تفتیش غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار طالع مند کو پولیس چوکی لوہاری گیٹ نے تفتیش کے لئے چوکی بلایا اور انتہائی غصے کے عالم میں انہیں گرفتار کر لیا لیکن بعد میں معززین شہر کی طرف سے اس بات کا یقین ہو جانے پر کہ طالع مند اور دیگر گھر والوں کا اس معاملہ میں کوئی قصور نہیں انہیں رہا کر دیا گیا۔

عدالت میں پیشی

پولیس کی طرف سے ابتدائی تفتیش مکمل ہونے کے بعد ۱۰ اپریل ۱۹۲۹ء کو صبح دس بجے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف تعزیراتِ ہند دفعہ ۳۰۲ کے تحت مسٹر لوئیس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کر دیا جہاں پر استغاثہ کی طرف سے ایشر وداس کورٹ ڈی ایس پی بطورِ وکیل کے پیش ہوئے جبکہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے کوئی بھی وکیل پیش نہ ہوا۔ برصغیر پاک و ہند کی عدالتی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک ہی شخص کے قتل کے الزام میں تین ملزم مختلف اوقات میں پکڑے گئے لیکن ان تینوں اشخاص کی جانب سے وکیل صفائی کی نامزدگی نہیں ہوئی اور انہوں نے کسی بھی قسم کی صفائی پیش کرنے سے انکار کر دیا۔ عدالت کی جانب سے استغاثہ کے گواہوں کے بیانات سنے گئے اور انہیں قلم بند کیا گیا۔

سب سے راجپال کے ملازم پہلے کیدار ناتھ نے ذیل کا بیان دیا:

"میں ۶ اپریل کو تقریباً دو بجے دوکان کے پچھلے کمرے میں کتابیں رکھ رہا تھا۔ راجپال اپنے دفتر میں کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ملزم اندر آیا اور آتے ہی ان کے جگر میں چھرا گھونپا اور چھرا تیزی سے باہر نکال کر پھینک دیا۔ راجپال کے منہ سے ہائے کی آواز نکلی میں نے تیزی سے باہر آ کر ملزم پر کتب پھینکیں لیکن ملزم بھاگ گیا۔ میں نے اور بھگت رام نے باہر نکل کر شور و غل مچایا ملزم بھاگ نکلا۔ ہم نے اس کا تعاقب کیا' ملزم سیتا رام سوداگر چوب کی دوکان میں

گھس گیا مگر راستہ نہ پا کر واپس لوٹا جسے مسٹر ودیا نند نے پکڑ لیا۔"

راجپال کے قتل کے دوسرے گواہ ودیا نند ولد سیتا رام نے ذیل کا بیان دیا:

"میری عمر بائیس سال ہے۔ میں اپنے دفتر واقع ہسپتال روڈ میں بیٹھا ہوا تھا کہ بازار کی جانب سے شور اٹھا۔ ملزم ہماری دوکان کے اندر لپکا لیکن راستہ رکا ہوا پا کر واپس لوٹا۔ میں نے ملزم کو پکڑ لیا اتنے میں اور لوگ بھی آ گئے۔ ملزم کہہ رہا تھا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لے لیا۔ راجپال خون میں لت پت پڑے ہوئے تھے۔"

بعد ازاں اس گواہ نے ملزم کی عدالت میں شناخت بھی کی۔

بعد ازاں تیسرے گواہ راجپال کے ملازم بھگت رام نے پہلے گواہ کیدار ناتھ کے بیان کی تصدیق کی۔ اس کے بعد پولیس کی جانب سے برکت علی ہیڈ کانسٹیبل نے اپنا بیان قلم بند کرایا:

"میں لوہاری پولیس چوکی میں ڈیوٹی دے رہا تھا جب مجھے معلوم ہوا کہ راجپال کو قتل کر دیا گیا۔ میں رحمت خان اور دیگر سپاہیوں کو لے کر راجپال کی دوکان پر پہنچا جہاں میں نے دو آدمیوں کو ملزم کو لاتے دیکھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ملزم نے راجپال کو قتل کیا ہے۔ میں نے ملزم کو دو کانسٹیبلوں کے حوالے کیا اور انہیں کہا کہ وہ بلا تاخیر اسے لوہاری دروازہ پولیس چوکی لے جائیں کیونکہ لوگ جمع ہو رہے تھے اور فساد کا اندیشہ تھا۔ تارا چند ہیڈ کانسٹیبل بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ راجپال اندر مرا پڑا ہے۔ ہم نے خون آلود چھری قبضے میں لے لی اور فہرست مرتب کی اتنے میں سب انسپکٹر آ گیا۔ نعش اپنے قبضہ میں لے لی اور گواہ نے ملزم کو شناخت کیا۔"

دوسرے گواہ تارا چند کانسٹیبل نے برکت علی ہیڈ کانسٹیبل کے بیان کی تائید کی۔

چودھری جلال الدین سب انسپکٹر نے اپنا بیان یوں قلم بند کروایا:

''میں تھانہ کچہری میں تعینات ہوں۔ مجھے تھانہ میں بذریعہ ٹیلی فون اطلاع ملی کہ راجپال قتل ہوگیا ہے۔ میں وہاں سے بے تحاشا بھاگتا ہوا آیا۔ جب میں لوہاری دروازہ کے باہر پولیس چوکی میں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ ملزم کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ملزم اس وقت شیر محمد کے قبضہ میں تھا میں نے دیکھا کہ ملزم کی قمیص کی داہنی آستین پر خون کے دونشان تھے اور شلوار کے داہنے حصے پر بھی خون کے نشان تھے۔ ملزم کے دونوں ہاتھ زخمی تھے۔ میں نے فوراً ان امور کو پنسل سے قلم بند کر لیا اور جائے وقوعہ کی جانب بھاگا۔ میں نے ہدایت کی کہ ملزم کو اسی حالت میں رکھا جائے وہاں بہت سے آدمی موجود تھے۔ تارا چند برآمدگی مرتب کر رہا تھا۔ میں نے چھری کا خاکہ تیار کیا چھری کا پارسل بنایا۔ اس پر امام دین کانسٹیبل کی مہر لگائی گئی۔ اس کے بعد میں نے کیدارناتھ کا بیان قلم بند کیا۔ بیان گواہ کو دکھایا گیا جسے گواہ نے درست قرار دیا اور بیان تھانہ میں بھیج دیا۔ گواہ نے نقشہ صورتحال عدالت میں ملاحظہ کرنے کے بعد اسے درست تسلیم کیا۔ میں نے ہی نعش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجا۔ گواہ کو دو چھریاں دکھلائیں گئیں جن کے بارے میں گواہ نے کہا کہ ملزم نے یہ چھریاں آتما رام دوکان دار گمٹی بازار سے خریدی ہیں اور ملزم کے بیان کے مطابق اس نے خون آلود چھری گمٹی بازار کے ایک کباڑی کی دوکان سے خریدی ہے۔ آتما رام نے مجھے بتایا کہ چھری میں نے ہی فروخت کی تھی۔ اس نے جو کچھ بیان کیا اور آدمی کا حلیہ بتایا وہ ملزم کے حلیہ سے ملتا تھا۔ اس کے بعد یہ دو چھریاں مذکور نے بطور نمونہ دی تھیں۔ اس کے

بعد شناخت کی پریڈ میں دوکاندار نے ملزم کو شناخت کیا تھا۔''

بعدازاں ہیڈ کانسٹیبل ہنس راج اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پنڈت گردھاری لال نے نعش کے طبی معائنہ کے بارے میں شہادت دی۔

استغاثہ کی جانب سے آتمارام گواہ نے ذیل کا بیان دیا:

''میں گمٹی بازار میں کباڑی کی دوکان کرتا ہوں گذشتہ ہفتے کا ذکر ہے کہ ملزم نے جسے عدالت میں شناخت کرتا ہوں، مجھ سے ایک روپے قیمت پر چھڑی خریدی۔''

محمد عثمان نقشہ نویس اور جواہر لال انسپکٹر سی آئی ڈی نے اس بیان کی گواہی دی۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس وقت تک کوئی وکیل موجود نہ تھا اور وہ اس وقت تک اکیلے کھڑے ہوئے تھے۔ اس دوران مسٹر فرخ حسین بیرسٹر کمرہ عدالت میں تشریف لائے اور عدالت کی جانب سے ملزم غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جانب لپکے اور کچھ دیر تک ان سے باتیں کرنے کے بعد عدالت سے کہا کہ میں ملزم کی جانب سے وکیل ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ مقدمہ نہایت اہم ہے اس لئے ملزم کو صفائی کی تیاری کے لئے موقع فراہم کیا جائے اور یہ بات بے حد ضروری ہے کہ مقدمہ کی سماعت کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کر دی جائے۔ وکیل استغاثہ ایشر داس نے کہا کہ اگر ملزم وکیل کرنا چاہتا ہے تو اسے دو گھنٹہ کا وقت دیا جا سکتا ہے۔ فرخ حسین بیرسٹر نے جواباً کہا کہ یہ وقت مقدمہ کی تیاری کے لئے کم ہے۔

لیکن عدالت نے ان کی یہ درخواست نامنظور کر دی۔ اس پر انہوں نے زیر دفعہ ۵۲۶ ضابطہ فوجداری کے تحت درخواست دی کہ میں مقدمہ کے انتقال کی خاطر ہائی کورٹ میں درخواست دینا چاہتا ہوں۔ اس لئے مقدمہ کی کارروائی روک دی جائے۔ جس پر عدالت نے فیصلہ دیتے ہوئے مقدمہ کی سماعت ۱۶ اپریل تک ملتوی کر دی اور ملزم کو جیل بھیج دیا۔ بعد از اختتام کارروائی جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کانسٹیبلوں کی معیت میں اکیلے ہی پولیس

کے ہمراہ روانہ ہوئے تو ان کے چہرے پر ایک عجیب مسکراہٹ بے تابانہ رقصاں تھی اور وہ بالکل ہشاش بشاش نظر آرہے تھے اس وقت انہوں نے سفید شلوار، سفید دھاری دار کرتہ پہنا ہوا تھا اور سر پر سفید پگڑی باندھ رکھی تھی اور ان کی چال میں ایک عجیب مستانی کیفیت تھی۔

شروع میں مسلمانوں کی جانب سے مقدمہ میں عدم دلچسپی ظاہر کی گئی لیکن جب اگلے روز کے اخبارات میں مقدمہ کی سماعت کے پہلے روز کی مکمل کاروائی چھپی تو مسلمان اچانک اپنی بے خوابی سے بیدار ہوئے اور اس مقدمہ میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئے۔ طالع مند نے عدالتی کاروائی کے بارے میں جب دیکھا کہ کاروائی انتہائی تیز رفتاری سے ہو رہی ہے جس میں انصاف کے تقاضوں کو مدنظر نہیں رکھا جا رہا تو وہ پریشان ہو گئے۔ انہوں نے ایک اچھا وکیل کرنے کی بہت کوشش کی جو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پیش ہو سکے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور انہیں مجبوراً فرخ حسین ایڈوکیٹ کو مبلغ چار سو روپے ادا کر کے وکیل مقرر کرنا پڑا تھا۔

میں گونجتا ہی رہا جسم کے بیاباں میں
وہ نغمہ ہوں کہ جسے پیکر صدا نہ ملا

اخبارات میں شائع ہونے والی تمام کاروائی کے بعد مسلمان جب اپنی غفلت سے بیدار ہوئے تو بے شمار قابل وکلاء نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا کیس اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے طالع مند سے درخواست کی۔

عدالتی کاروائی کا باقاعدہ آغاز:

۱۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو مسٹر لوئس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف تعزیزات ہند دفعہ ۳۰۲ کے تحت مقدمہ کی سماعت دوبارہ شروع کی۔ اس روز حفظ ماتقدم میں عدالت کے باہر پولیس کا زبردست پہرا لگایا گیا تھا اور کمرۂ عدالت میں بھی دو مسلح کانسٹیبل بندوقیں لئے پہرہ دے رہے تھے۔

عدالت کی کاروائی شروع ہوئی تو دو کانسٹیبلوں کی حراست میں غازی علم الدین

شہید رحمۃ اللہ علیہ کو کمرہ عدالت میں لایا گیا۔ کمرہ عدالت میں تماشائیوں کی گیلری میں پچاس کے لگ بھگ لوگ مقدمہ کی سماعت کے لئے بیٹھے تھے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کمرہ عدالت میں ایک علیحدہ جگہ پر خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور کسی اندرونی کیفیت میں ڈوبے ہوئے ان کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

استغاثہ کی طرف سے مہتہ اشیرداس اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے خواجہ فیروز الدین بیرسٹر اور ڈاکٹر اے آر خالد موجود تھے۔ سب سے پہلے خواجہ فیروز صاحب نے عدالت میں درخواست گزاری کہ اس مقدمہ میں وکیل صفائی کے فرائض انجام دیں گے۔ اس سے پیشتر چونکہ فرخ حسین بیرسٹر پیش ہوئے تھے اور التوائے مقدمہ کی درخواست کی تھی۔ وہ درخواست واپس لی جاتی ہے اور اسی عدالت میں ہی مقدمہ کی سماعت کی اجازت میرا موکل دیتا ہے۔ اس کے بعد خواجہ فیروز کی درخواست پر مجسٹریٹ نے انہیں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کچھ وقت کے لئے گفتگو کی اجازت دے دی اور بعد ازاں کچھ دیر بعد عدالت کی کاروائی شروع ہوئی۔

سب سے پہلے جواہر لال انسپکٹر کی شہادت پر جرح کی اجازت عدالت نے دی لیکن خواجہ صاحب نے کہا کہ فی الحال کسی گواہ پر جرح کی وہ ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

استغاثہ کی طرف سے دوسرے گواہ دیوان وزیر چند کو پیش کیا گیا جو کہ گوجرانوالہ سے تعلق رکھتے تھے‘ اس نے درج ذیل بیان دیا:

> ”میں دو بجے کے قریب دفتر اخبار گورو گھنٹال میں لالہ شام لال کپور ایڈیٹر و مالک اخبار مذکور کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا۔ اخبار گورو گھنٹال کا دفتر راج پال کی دوکان کے عین اوپر واقع ہے۔ اتنے میں بازار میں سے پکڑو‘ پکڑو‘ مار گیا‘ مار گیا کا شور بلند ہوا۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ بازار میں کوئی شے گری ہے۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر نیچے بازار میں جھانکا تو معلوم ہوا کہ چند کتابیں بازار میں گری پڑی ہیں

اور ایک لڑکا بھاگا جا رہا تھا۔ میں نے اس کے پیچھے بھاگنے والوں کو کہا کہ اسے پکڑو۔ پھر میں خود بھی نیچے اتر کر بھاگا جب میں موڑ کے قریب پہنچا تو ایک ننگے سر والا ملزم کو پکڑ کر لا رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر ملزم نے کہا کہ میں نے کچھ نہیں چرایا مسلمانوں نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لیا ہے۔ ہم ملزم کو راجپال کی دوکان پر لے آئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ ملزم نے راجپال کو قتل کر دیا ہے اور چھرا وہیں پر چھوڑ دیا ہے۔ میں نے لوہاری دروازہ پولیس کو اطلاع دی۔"

اس بیان کے بعد جرح محفوظ کر لی گئی اور اگلے گواہ ملک راج مجسٹریٹ درجہ اول کو طلب کیا گیا جس نے اپنے بیان میں کہا:

"میں نے ۱۹ اپریل ۱۹۲۹ء کو پولیس لائن میں شناخت پریڈ کروائی تھی جہاں ملزم علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) کی شناخت کروائی گئی۔ میں نے اس کا میمورنڈم بنایا تھا اور پھر جب انہیں میمورنڈم دکھایا گیا تو انہوں نے اس پر ثبت اپنے دستخطوں کی تصدیق کی اور کہا کہ میں نے اس معاملے میں پوری احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے۔ گواہ تھانہ کے ذریعے بلایا گیا تھا۔ گواہ کے لئے ملزم کو پہلے دیکھنے کا کوئی موقع نہ تھا اس پر بھی جرح محفوظ کر لی گئی۔"

کانسٹیبل شیر محمد نے اپنا بیان ریکارڈ کروایا:

"میں نے ملزم کے پارچہ جات اور چھرے کے سر بمہر پارسل کیمیکل ایگزامینر کے دفتر میں لے کر گیا تھا۔ جبکہ اس کے ساتھی کانسٹیبل غلام نبی نے اپنے بیان میں کہا کہ میں سول سرجن کے دفتر سے چار سر بمہر شیشیاں کیمیکل ایگزامینر کے دفتر میں لے کر گیا تھا۔"

گواہ خوش حال چند پیش ہوا اس نے اپنے بیان میں کہا:

''میں قلعہ گوجر سنگھ میں دوکان کرتا ہوں۔ لالہ جواہر لال انسپکٹر پولیس نے ملزم کی قمیض اور شلوار میرے روبرو اتروائی تھی، قمیض اور شلوار پر خون کے نشانات موجود تھے۔ لالہ جواہر لال نے کپڑوں کا پارسل بنا کر مہریں لگائیں۔ خون آلود حصہ کاٹ لیا گیا تھا۔ ایک فرد بھی بنائی گئی جس پر میں نے دستخط کئے۔''

میو ہسپتال کے ڈاکٹر ڈارسن نے ذیل کا بیان دیا:

''میں نے راجپال کی نعش کا پوسٹ مارٹم کیا تھا اور یہ کام ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو کیا گیا تھا۔ نعش کی شناخت ڈاکٹر گردھاری لال نے کی جو مقتول کا پہلے سے واقف کار تھا۔ مقتول کی انگلیوں، سر، چھاتی اور پٹھوں پر زخم تھے اور کلیجہ کافی مجروح تھا۔ کلیجہ کے قریب کی پسلی ٹوٹی ہوئی تھی۔ چھاتی کے بائیں طرف کا زخم ڈیڑھ انچ لمبا اور چار انچ چوڑا تھا، اس کی گہرائی ساڑھے سات انچ کے قریب تھی اور پسلی کٹ گئی تھی، جبکہ بائیں پٹھے پر شدید زخم تھا۔ ان کے خیال میں موت اس ضرب کی وجہ سے ہوئی جو کلیجہ پر لگی اور ایسی ضرب کسی تیز نوک دار ہتھیار سے ہی لگ سکتی ہے۔ دوسرے روز ایک چھرا میرے پاس بھیجا گیا جس سے ایسی ضربات لگ سکتی ہیں۔''

وکیل صفائی خواجہ فیروز نے گواہوں پر کوئی جرح نہ کی اور عدالت میں ذیلکی درخواست پیش کی:

''عدالت ہذا اس امر کے لئے مجبور نہیں ہے کہ سیشن میں گواہوں کی جو فہرست بھیجے اس میں ڈاکٹر کا نام بھی درج کرے چونکہ سماعت لاہور میں ہے اس لئے کچھ حرج نہیں ہے اس لئے عدالت ڈاکٹر کو بھی پابند کر دے۔''

عدالت نے جواباً کہا کہ اس درخواست کی سماعت کے لئے اسے عدالت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس پر خواجہ فیروز نے کہا کہ میں عدالت میں درخواست پیش تو کروں گا لیکن اس وقت کہیں یہ سوال پیدا نہ ہو کہ میں نے ماتحت عدالت میں یہ درخواست پیش نہیں کی۔ آپ فی الحال ڈاکٹر کا نام نہ لکھیں لیکن جب عدالت سیشن سے تاریخ پیشی کی اطلاع آئے تو دوسرے گواہوں کے علاوہ ڈاکٹر کو بھی اطلاع دی جائے کہ اس مقدمہ کے لئے فلاں تاریخ مقرر کی گئی ہے۔ اگر سیشن جج مناسب سمجھے تو انہیں طلب کرے۔

عدالت نے یہ درخواست منظور کر لی۔ بعدازاں وکیل صفائی نے درخواست پیش کی کہ ہمیں ملزم کو کپڑے پہنانے کی اجازت دی جائے۔ اس پر عدالت نے وہیں کپڑے پہنانے کی اجازت دے دی۔

چونکہ عدالت میں اس وقت لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا تھا اس لئے کمرۂ عدالت سے لوگوں کو باہر چلے جانے کا حکم دیا گیا مگر کچھ ہی دیر بعد یہ حکم واپس لے کر یہ حکم دیا کہ ملزم کو جیل میں کپڑے بدلوائیں جائیں۔ بعدازاں مختصر سی کاروائی کے بعد مقدمہ کو ۲۴ اپریل ۱۹۲۹ء تک ملتوی کر دیا گیا نیز چھرے کو ماہرین کے معائنہ کے لئے کلکتہ بھیج دیا گیا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے وکلاء کے دلائل

اگرچہ اس دور میں برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کی حکومت تھی لیکن ان کی مسلمانوں سے دشمنی اور تعصب کی بناء پر انہوں نے کئی اہم عہدوں پر ہندوؤں کو تعینات کر رکھا تھا۔ اگر کسی جگہ کوئی انگریز عہدیدار بھی ہوتا تھا تو وہ بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ ایسے موقع پر قتل کا کیس جسے حتمی مقدمے میں منتقل ہونے، ملزم کو مجرم قرار دینے کے لئے کم از کم ایک سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے لیکن یہاں تو پوری مشینری اس مقدمہ سے جلد از جلد چھٹکارا پانے کے درپے تھی۔ اس لئے اس کیس کی پہلی دو پیشیوں کے بعد ہی مقدمہ علاقہ مجسٹریٹ سے سیشن کورٹ میں منتقل ہو چکا تھا۔ اس عدالت کے جج مسٹر ٹیپ تھے اور وہ اس مقدمہ کو جلد از جلد ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ بہت سے قانونی دلائل کو بلا کسی عذر خواہی اور جواز کے رد کرتے جاتے تھے۔

دوسری پیشی کے بعد ہی ہندو اخبار غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو سخت سے سخت سزا کی اپیل کر کے عدالت کو مزید الجھن میں دھکیل رہے تھے اور اس فیصلہ پر اپنا سیاسی دباؤ بڑھا رہے تھے۔ بہر حال اس ساری صورتحال میں بھی خواجہ فیروز الدین بیرسٹر اور ان کے معاونین بیرسٹر محمد سلیم اور مسٹر فرخ حسین نے عدالت میں ذیل کے دلائل پیش کیے:

"استغاثہ کے مطابق جب دوکان میں قاتل آیا تو وہاں صرف دو آدمی موجود تھے جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔ ان کے سامنے ملزم نے

حملہ کیا۔ مقتول نے حملہ روکا قاتل کے ہاتھوں پر زخم بھی آئے۔ آخر کئی ضربوں کے بعد وہ اسے مار گرانے میں کامیاب ہو گیا اور اپنا کام مکمل کر کے بھاگ گیا۔ جسے تعاقب کے بعد گرفتار کر لیا گیا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو کہ عینی شاہدین ہیں اس اثنائے قتل میں کیوں نہ بولے اور کیوں نہ انہوں نے شور و غوغا بلند کیا تا کہ قاتل موقع پر پکڑا جاتا۔ پھر جو چھری پکڑی گئی ہے اس کا سرا ٹوٹا ہوا ہے جس سے آدمی قتل نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب قاتل آیا اس وقت راجپال دوکان کے اندر بیٹھا ہوا تھا اور مقتول بڑے اطمینان سے اس کا کام تمام کر کے ہوا ہو گیا۔ ملازموں نے جو آ کر دوکاندار کو مقتول پایا تو چلاتے ہوئے دوڑے اور ایک مسلمان کو پکڑ کر قاتل بنا دیا حالانکہ اگر یہ قاتل ہوتا تو بھاگ کر انارکلی کے پر رونق بازار میں لوگوں کے جم غفیر میں شامل ہو کر بچ نکلتا نہ کہ غیر آباد سڑک کی طرف جا کر پکڑا جاتا۔ جس دوکان سے چھری خریدنا بیان کیا جاتا ہے وہ کمزور نظر آدمی نظر آتا ہے۔ اسے کس طرح یاد رہ سکتا ہے کہ فلاں شکل و صورت کا ایک آدمی آیا تھا اور چھری خرید کر لے گیا تھا۔ اس سے مقدمہ بالکل ثابت نہیں ہوتا اس لئے جج صاحب کو چاہیے کہ ملزم کو بری کر دیں۔"

کیس کی سماعت کے دوران جج صاحب نے ذرا برابر بھی ان کی بات نہ سنی اور کسی کے دلائل کو قابل اتفاق نہ گردانا بلکہ انہیں تو اس مقدمہ سے جان چھڑانے کی جلدی تھی اور یوں جج نے انتہائی سرعت سے کام لیتے ہوئے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ پر فردِ جرم عائد کرتے ہوئے انہیں دفعہ ۳۰۲ تعزیزات ہند کے تحت مجرم قرار دیا اور ۲۲ مئی ۱۹۲۹ء کو پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اس وقت اکیس برس تھی۔

مسلمانوں میں عدالت کے اس فیصلے کے بعد سخت اشتعال انگیزی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ مسلمان انگریزوں کے اس متعصّبانہ رویہ کے خلاف سراپہ احتجاج بن گئے۔ مسلم لیڈروں نے لاہور شہر میں کئی جلسے منعقد کیے جس میں اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ سیشن جج کے فیصلے کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل کی جائے اور اس مقصد کے لئے نامی گرامی مسلم وکلاء سے اپیل کی جائے کہ وہ اس کارِ خیر میں حصہ ڈالیں۔

عدالت کا تفصیلی فیصلہ:

علم الدین ولد طالع مند عمر بیس سال، ترکھان، سکنہ محلّہ سریانوالہ اندرون شہر لاہور پر تعزیزات ہند کی دفعہ ۳۰۲ کے تحت قتل کا الزام ہے۔ جس نے ایک ہندو کتب فروش راجپال کو ہسپتال روڈ پر ۶اپریل ۱۹۲۹ء کو قتل کیا۔

مقتول جو ایک پمفلٹ بعنوان ''رنگیلا رسول'' کا ناشر تھا اس پر حکومت نے دفعہ ۵۳/اے تعزیزات ہند کے تحت مقدمہ درج کیا کیونکہ اس پمفلٹ کی اشاعت سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان دشمنی پیدا ہوئی تھی۔ اس کو ڈیڑھ سال قید بامشقت کی سزا کے علاوہ ایک ہزار روپے جرمانہ بھی ہوا اور عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں اسے مزید چھ ماہ جیل میں گزارنے پڑیں گے۔ اس کو ۱۸ جنوری ۱۹۲۷ء کو سزا سنائی گئی اس کی اپیل ۱۸ فروری ۱۹۲۷ء کو سنی گئی اور سزا کی مدت چھ ماہ کر دی گئی اور جرمانہ برقرار رکھا گیا۔

عدالتی فیصلہ پر نظر ثانی کی درخواست ہائیکورٹ میں دائر کی گئی جس کی بناء پر مجرم کی سزا کو ۴ مئی ۱۹۲۷ء کو معاف کرتے ہوئے بری کر دیا گیا۔ اس کی وجوہات یہ بیان کی گئی کہ اگرچہ پمفلٹ میں مسلمانوں کے مذہب کے بانی پر سخت فحش زبان میں طنز نہ کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب پر حملہ کیا گیا ہے۔ جس سے ہندو اور مسلمان قوموں کے درمیان دشمنی یا نفرت پائی جاتی ہو۔ لہٰذا مقدمہ دفعہ ۱۵۳/اے کے دائرے میں نہیں آتا۔

گواہوں کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتول پر اس سے پہلے بھی دو دفعہ

قاتلانہ حملے کئے گئے جس کے نتیجے میں اس کے گھر پر پولیس سکیورٹی اس کی غیر موجودگی میں نہیں بٹھائی گئی اور جب وہ ۴ اپریل کو واپس آیا تو سکیورٹی کو بحال نہیں کیا گیا جیسا کہ مقتول کے ملازمین (گواہ نمبر ۲ اور ۳) کیدار ناتھ اور بھگت رام نے بتایا۔ سب انسپکٹر جلال الدین (گواہ نمبر ۱۹) نے بتایا کہ اس کو ایک کانسٹیبل مہیا کر دیا گیا تھا لیکن وقوع کے وقت وہ مقتول کی اجازت سے کھانا کھانے چلا گیا تھا۔ یہ نکتہ کوئی اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ لہٰذا میں ان دونوں ملازمین کی گواہی کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں اور میرے خیال میں سب انسپکٹر کی گواہی میں کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں ہے کیونکہ عام طور پر پولیس ملازم دوپہر کو کھانا نہیں کھاتے۔ جیسا کہ نقشہ ای ایس پی/ جے جس کو محمد عثمان ڈرافٹ مین نے بنایا ہے اس میں دکھایا گیا ہے کہ ہسپتال روڈ انارکلی بازار کے قریب لوہاری چوک سے جا ملتا ہے جو کہ جنوب مغرب سے شمال مشرق کو ہے۔ مقتول کی دکان انارکلی بازار اور لوہاری گیٹ چوک سے جنوب مشرق کی طرف ہے۔ دکان دو کمروں جو کہ آگے پیچھے ہیں اور ایک لکڑی کا نچلا تھڑا جو کہ سامنے ہے اس پر مشتمل ہے۔ وہ دروازے بیرونی کمروں کی طرف جاتے ہیں اور پھر دو دروازے اندر کے کمروں کو جاتے ہیں۔ دکان کے اوپر گورو گھنٹال کا دفتر ہے۔ وہ دن جو زیر سوال ہے تقریباً دو بجے دن کو مقتول اپنی گدی پر بیٹھا ہوا خط لکھ رہا تھا جیسا کہ نقشہ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ بیرونی کمرے کے باہر کے دروازے کے نزدیک بیٹھا تھا کیدار ناتھ (گواہ نمبر ۲) جو کہ مقتول کا ملازم ہے وہ اندرونی کمرے میں کام کر رہا تھا (نقشہ میں پوائنٹ نمبر ۳) جبکہ بھگت رام (گواہ نمبر ۳) مقتول کا دوسرا ملازم لکڑی کی سیڑھی پر کھڑا شیلف میں کتابیں رکھ رہا تھا۔

ان دو چشم دید گواہوں کے مطابق قاتل اپنے ہاتھ میں چاقو لئے ہوئے دکان میں داخل ہوا۔ اس نے مقتول پر حملہ کیا اور اس کے سینے پر وار کیا۔ چاقو کو پھینکا یا نیچے رکھ دیا اور باہر ہسپتال کی طرف بھاگا' جب کیدار ناتھ اور بھگت رام نے اپنے مالک پر حملہ ہوتے دیکھا تو انہوں نے قاتل پر کتابیں پھینکیں۔ وہ زور سے چلائے اور اس کے تعاقب میں بھاگے۔ کیدار ناتھ اور بھگت رام کی چیخ و پکار نے نانک چند اور پرمانند کی توجہ اپنی طرف کر لی (گواہ

نمبر ۴ اور ۵) اور وہ بھی ان کے ساتھ تعاقب کرنے میں شریک ہو گئے۔ ملزم کے پیچھے پرمانند تھا جس نے دیکھا کہ ملزم ودیارتن کے ٹال میں گھس گیا جو اس وقت اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا جیسا کہ نقشہ میں پوائنٹ نمبر ۶ میں دکھایا گیا ہے۔ ودیارتن جس نے ملزم اور تعاقب کرنے والوں کو اپنے دفتر کے دروازے میں سے جو سڑک کی طرف کھلتا تھا اس میں سے ان کو دیکھا وہ صحن میں دوسرے دروازے سے گیا۔ ملزم واپس مڑا (نقشہ نمبر ۷) ودیارتن اس سے ٹکرایا اور پھر اس کو پکڑ لیا۔ نقشہ نمبر ۸ کا پوائنٹ ظاہر کرتا ہے جب تعاقب کرنے والے آئے اس وقت تک ملزم پر پوری طرح قابو پایا جا چکا تھا۔ اس وقت ملزم نے کہا تھا کہ وہ کوئی چور یا ڈاکو نہیں ہے۔ بلکہ اس نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کا بدلہ لے لیا ہے۔ وزیر چند (گواہ نمبر ۷) جو گوجرانوالہ کا ٹھیکیدار ہے وہ گورو گھنٹال کے دفتر میں بیٹھا ایڈیٹر سے باتیں کر رہا تھا' اس وقت اس نے شور سنا کہ مار دیا' پکڑو اور راستے میں کسی چیز کے گرنے کی آواز بھی سنی۔ جب اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو اس نے سڑک پر کچھ کتابوں کو پڑا ہوا پایا اور ایک آدمی جس نے سرخ دھاری والی قمیض' سفید پگڑی اور سفید شلوار پہنے ہوئے سڑک پر بھاگ رہا تھا۔ جس کے تعاقب میں دو یا تین افراد تھے۔ وہ بھی تعاقب کرنے والوں کی چیخ و پکار میں شامل ہو گیا اور سیڑھیوں سے نیچے آ کر اس کے تعاقب میں بھاگا۔ جب میں ودیارتن کے ٹال پر پہنچا تو اس کو قابو میں کر لیا جس کو بعد میں ملزم نے شناخت کی۔ اس گواہ نے بتایا کہ ملزم کو جب پکڑا گیا تو اس نے اپنے بازو بلند کئے اور کہا کہ میں نہ تو چور ہوں اور نہ ہی ڈاکو ہوں بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا بدلہ لے لیا ہے۔ ملزم کو پکڑنے والے اسے مقتول کی دکان پر لائے اور اس کو پولیس کے حوالے کر دیا جس میں کانسٹیبل رحمت خان (گواہ نمبر ۹) برکت علی ہیڈ کانسٹیبل (گواہ نمبر ۱۰) اور تارا چند ہیڈ کانسٹیبل (گواہ نمبر ۱۱) سب سے پہلے جائے واردات پر پہنچے۔ ملزم کو ہتھکڑی لگائی اور اس کو لوہاری گیٹ پولیس چوکی رحمت خان کانسٹیبل لے کر گیا۔ سب انسپکٹر جلال الدین کو بذریعہ تار پیغام کچہری تھانے اطلاع دی گئی تھی لیکن ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ اس کو بتایا گیا کہ

ملزم کو گرفتار کر کے پولیس چوکی لوہاری گیٹ پہنچا دیا گیا ہے' لہٰذا وہ پہلے وہاں گیا۔ اس نے دیکھا کہ ملزم کی قمیض کی دائیں آستین پر خون کے دو چھوٹے دھبے تھے اور شلوار کے دائیں پائنچے پر خون کا دھبہ تھا۔ اس نے ان دھبوں کو نوٹ کیا اور یہ بھی دیکھا کہ اس کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر بھی ضرب کا نشان تھا۔ دوسرا زخم بائیں ہاتھ کی انگلی اور تیسرا دائیں ہاتھ کی کہنی پر بھی تھا۔ اس کے بعد انسپکٹر جائے وقوعہ کی طرف روانہ ہوا۔ تاراچند ہیڈ کانسٹیبل نے آلہ قتل چاقو کو پہلے ہی اپنے قبضہ میں کر لیا تھا جو اس کو مقتول کے قریب پڑا ہوا ملا تھا۔ اس پر سب انسپکٹر کے دستخط بھی موجود ہیں۔ چاقو کا خاکہ بنانے کے بعد اس کو پارسل میں محفوظ کر لیا گیا اور اس کو سیل کر دیا گیا۔

کیدار ناتھ کے بیان کو سب سے پہلے قلم بند کیا گیا اور اس کو ہی ایف آئی آر تصور کیا گیا۔ پھر دوسرے گواہان کا بیان قلم بند کیا گیا۔ اسی دوران سینئر سپرٹنڈنٹ پولیس اور انسپکٹر جواہر لال (گواہ نمبر ۲۰) وہاں پہنچ گئے۔ مقتول کے زخموں کی رپورٹ تیار کرنے کے بعد اس کو پوسٹ مارٹم کے معائنہ کے لئے لاش کو ہسپتال بھیج دیا گیا۔ ایس ایس پی کے حکم کے مطابق ملزم کو لوہاری گیٹ پولیس چوکی سے سول لائن کے تھانے میں بند کر دیا گیا۔ انسپکٹر جواہر لال نے ملزم کے گھر کی تلاشی لینے کے بعد وہاں سے خوشحال چند (گواہ نمبر ۱۶) کی موجودگی میں وہاں سے اس کی قمیض اور شلوار برآمد کی جس کو ملزم پہنے ہوئے تھا اور ان پر خون کے دھبے بھی موجود تھے۔ شام کو انسپکٹر تھانہ سول لائن کے سامنے انکا بھی پارسل بنایا گیا۔ اس کو سیل کرنے کے بعد کیمیکل ایگزامینر کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ ۷ اپریل کی شام کو ملزم کے بتانے پر آتمارام (گواہ نمبر ۸) جو کہ کباڑیہ یا پرانی چیزوں کے فروخت کرنے کا سٹور چلاتا ہے۔ اس کا پتہ انسپکٹر جواہر لال اور سب انسپکٹر جلال الدین سے لگا لیا گیا جو کہ گمٹی بازار میں کاروبار کرتا ہے، اس کی دکان پر ایک ہی جیسے کئی چاقو نظر آئے اور اس نے بتایا کہ گذشتہ روز اس نے ان چاقوؤں سے ملتا جلتا چاقو ملزم کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ دونوں پولیس افسروں نے وہاں سے دو چاقو لئے اور یادداشت تیار کی۔

اس ضمن میں ملزم نے آتمارام کی دکان کے بارے میں جو انکشاف کیا ہے میں نے اس بات کو بھی نوٹ کیا ہے کہ مسٹر سلیم نے ان حقائق پر اعتراض کیا ہے کہ دونوں پولیس افسران نے اپنے ذہنی علم کی بدولت ایسی بات بنائی ہے جس کے تحت انھوں نے آتمارام کی دکان کا سراغ لگایا اور حال ہی میں فل بنچ ہائیکورٹ کا فیصلہ قانون شہادت کی دفعہ ۲۷ کے تحت اہم واقعات پر لاگو ہوتی ہے نہ کہ ذہنی حقائق پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

ان دلائل کا فائدہ معزز کونسل کی اختراع کو جاتا ہے لہٰذا میں اس اعتراض کو رد کرتے ہوئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا ہوں اور گواہ کی طرف اتنی بات ہی اہم ہے کہ چاقو آتمارام کی دکان سے خریدا گیا تھا۔ اس کا انکشاف خود ملزم نے کیا ہے اور اسی کے انکشاف کرنے پر دکان کا پتہ چلایا گیا۔ اگر ملزم چاقو لے جاتا اور اس کو چھپا دیتا تو پھر اس بات کی شہادت ہوتی کہ اس نے کہاں پر چھپایا اور کہاں سے اس کو برآمد کیا گیا۔ شناخت کے طور پر دو ایک جیسے چاقو پیش کیے گئے اور ملزم نے واردات میں استعمال ہونے والے چاقو کو پہچان لیا جس سے اس نے قتل کیا تھا۔ یہ اہم حقائق ہیں اس کے علاوہ اس مقدمہ میں کسی اور چیز کو برآمد نہیں کرنا تھا کیونکہ یہی چاقو بطور آلہ قتل استعمال ہوا تھا۔

۱۹ اپریل کو تھانہ پولیس لائن میں شناخت پریڈ مجسٹریٹ درجہ اول ایل ملکھ راج کی سربراہی میں کرائی گئی جس میں چھ افراد میں سے آتمارام نے اس شخص کو پہچان لیا جس نے اس کی دکان سے چاقو خریدا تھا۔ آتمارام، لالہ ملکھ رام اور انسپکٹر جواہر لال کی شہادتوں کو اور اس محضر نامہ کو بھی دیکھو جو مجسٹریٹ کی موجودگی میں تیار کیا گیا۔ آتمارام کی گواہی سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے چھاؤنی کے ایک میڈیکل سٹور سے پانچ سو کے قریب چاقو نیلام میں تین سال یا اس سے کچھ پہلے خریدے تھے۔ ان چاقوؤں میں سے کچھ چاقو اس نے اپنی دوکان کے باہر فروخت کرنے کے لئے لگائے ہوئے تھے کہ ۶ اپریل کی صبح کو ملزم اس کی دکان پر آیا اور پوچھا کہ کیا کوئی چاقو اس کے پاس فروخت ہونے کے لئے ہے۔ آتمارام نے اس کو کچھ چاقو دکھائے جن میں سے ملزم نے ایک چاقو پسند کیا اور تھوڑی دیر سودا بازی

کرنے کے بعد چاقو کی قیمت ایک روپیہ طے ہوئی۔ ملزم نے آتمارام سے کہا کہ وہ اس چاقو کو علیحدہ رکھے تاکہ وہ اس اثناء میں ایک روپیہ لے آئے۔ وہ ایک گھنٹے کے بعد واپس آیا اور اس نے ایک روپیہ ادا کیا اور چاقو لے لیا۔

آتمارام نے مزید حلفی بیان دیا کہ اس نے ملزم کو اس لئے شناخت کرلیا کہ جس وقت اس نے چاقو خریدا تھا اس نے دیکھا تھا کہ ملزم کے دونوں کان چھیدے ہوئے تھے جن میں دھاگہ پڑا ہوا تھا اور ناک کی دائیں طرف ایک نشان تھا۔ انسپکٹر نے اپنی گواہی میں بتایا ہے کہ جس وقت اس نے ملزم کا حلیہ اپنی ڈائری میں لکھا تھا تو یہ دونوں باتیں اس نے لکھی تھیں یہ بھی درست ہے کہ ملزم کی ناک کی دائیں طرف ایک نشان ہے اور ایسے شواہد بھی ملتے ہیں کہ اس کے کان چھیدے ہوئے تھے۔ اس نکتہ پر جب عدالت میں کارروائی اختتام پذیر ہوگی تو اس وقت بحث کروں گا۔ آتمارام کی باقی گواہی ملزم کی شناخت سے تعلق رکھتی ہے۔ ہنس راج ہیڈ کانسٹیبل (گواہ نمبر ۱۳) کی گواہی کو سرسری طور پر دیکھتے ہوئے جو کہ پوسٹ مارٹم تک لاش کے پاس رہا۔ گردھاری لال (گواہ نمبر ۱۴) جس نے لاش کی شناخت کی اور شیر محمد (گواہ نمبر ۱۷) جس نے چاقو اور کپڑوں کا پارسل جس پر خون کے نشانات تھے کیمیکل ایگزامنر سے وصول کئے اور اب میں میڈیکل رپورٹ کی طرف آتا ہوں۔

ڈاکٹر ڈی آر سی کے مطابق مقتول کے جسم پر آٹھ زخم آئے جن میں سے چار زخموں نے اس کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو چیر ڈالا تھا جبکہ دائیں ہاتھ کی درمیان والی انگلی بائیں ہاتھ کی انگلی میں بھی جلد کی گہرائی تک زخم آئے۔ پانچویں زخم نے اس کے سر کو چیر ڈالا اور جو کھوپڑی کی کھال تک گہرا زخم آیا جس سے کھوپڑی کی دائیں طرف ٹوٹ گئی۔ دو گہرے زخم بائیں طرف کندھے پر آئے۔ سب سے زیادہ گہرا زخم بائیں طرف چھاتی پر آیا جو پسلیوں کو چیرتا ہوا بائیں پھیپھڑے سے ہوتا ہوا دل تک آیا اور یہی زخم موت کا سبب بنا۔ وہ چاقو جو مقتول کے پاس سے ملا تھا اس کی نوک آگے سے ٹوٹی ہوئی تھی اور انسپکٹر جواہر لال نے ڈاکٹر ڈی آر سی سے کہا تھا کہ اس کا ٹوٹا ہوا نوک کا ٹکڑا مقتول کے جسم میں سے تلاش

کرنے کی کوشش کرے مگر اس کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ گواہ نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ ہوسکتا ہے کہ ٹوٹے ہوئے نوک کی وجہ سے ہی چھاتی کے بائیں طرف گہرا زخم آیا کیونکہ اس طرح استعمال کرنے میں زیادہ طاقت استعمال ہوئی ہو جس قسم کے زخم کی طرف ڈاکٹر وی آرسی نے نشاندہی کی ہے۔ اس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ بڑی حد تک زیادہ طاقت کا استعمال ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ڈی آرسی کی شہادت سے مزید پتہ چلتا ہے کہ چاقو نہایت تیز تھا۔ چاقو کی کل لمبائی ساڑھے تیرہ انچ تھی جس میں ساڑھے ۸ انچ لمبا اس کا پھل (بلیڈ) تھا۔ ڈاکٹر کی رائے میں مقتول کی ہتھیلی پر جو زخم آئے ہیں وہ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے ملزم سے مقابلہ کے دوران کھائے ہیں۔

اس کی یہ بھی رائے تھی کہ وہ خون کے نشان جو قاتل کے کپڑوں پر پائے گئے ہیں اس خون کے نہ ہوں جو زخم سے نکلا ہو۔ جرح کے دوران دوسرے اور نکات جن پر بحث کی گئی ہے میرے خیال میں اتنے اہم نہیں ہیں۔ چاقو اور لباس کے کپڑوں کو جو کیمیکل ایگزامینر کے لئے بھیجا گیا تھا، اس کی رپورٹ کے مطابق ان دونوں چیزوں پر انسانی خون کے دھبوں کے نشان ہیں۔ ڈاکٹر ڈی آرسی نے ۷ اپریل کی دوپہر کو ملزم کا بھی طبی معائنہ کیا تھا جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ اس کے دائیں ہاتھ کی انگلی اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے نزدیک چھوٹی انگلی پر بھی زخم آئے تھے۔ یہ نشان گواہی کے نزدیک اس کے ترکھان ہونے کے پیشہ کی وجہ سے بھی آسکتے ہیں۔

ملزم نے مجسٹریٹ کو بتایا تھا کہ اس نے مقتول کو قتل نہیں کیا تھا لیکن اس بات کو تسلیم کیا کہ اس کو ودیا رتن کے ٹال سے گرفتار کیا گیا جبکہ وہ سبزی منڈی کی طرف سے آرہا تھا۔ اس نے ان لفظوں سے بھی انکار کیا جو اس نے پکڑے جانے کے وقت استعمال کئے تھے کہ وہ چور نہیں ہے۔ اس نے اس کو بھی تسلیم کیا کہ قمیض اس کی ہے جبکہ شلوار اس کی نہیں ہے۔ اس نے اس امر سے بھی انکار کیا کہ اس نے چاقو آتما رام سے خریدا تھا لیکن اس ضمن میں وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکا۔ اس عدالت میں اس۔ نے مجسٹریٹ کے روبرو جو بیان

دیا ہے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ پولیس نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی ہے اس نے یہ بھی کہا ہے کہ شناخت کی صبح کو انسپکٹر جواہر لال نے آتمارام کو اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ دوسرے تمام شناخت میں شریک افراد نے اس کے علاوہ سب ہی نے جوتے پہنے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کسی نے پگڑی بھی نہیں باندھی ہوئی تھی۔ اس نے مزید بیان دیا کہ جب وہ پکڑا گیا تو ہندوؤں نے اس کو بہت مارا اور پھر وزن تولنے والے کانٹے پر اس کو دھکا دیا جس سے اس کی کہنی اور گھٹنے میں زخم آئے۔ ملزم نے اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا ہے۔ لہٰذا اس کے بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ خون کے وہ دھبے جو قمیض کے دائیں بازو پر پائے گئے ہیں وہ کیل لگنے کی وجہ سے زخم خون کے ہوں۔ وہ اس کے بھی دلائل دیتا ہے کہ وہ دھبے جو شلوار پر پائے گئے ہیں وہ کیل لگنے کی وجہ سے ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ اس سے انکار کرتا ہے کہ شلوار اس کی ہے۔ اس نے اپنے دفاع میں کوئی ٹھوس شہادت مہیا نہیں کی ہے۔

مقدمہ کی سماعت کے دوران دو مسلم اور ہندو ثالثوں نے عدالت کی مدد کی۔ اول الذکر کی رائے میں ملزم پر قتل کا جرم ثابت نہیں ہوتا ہے جبکہ مؤخر الذکر کے نزدیک یہ جرم ثابت ہوتا ہے۔ مسلمان ثالث کی رائے کو قبول کرنا مشکل ہے کیونکہ اس میں ان کے مذہبی جذبات شامل ہیں۔ مجھے یہی تاثر ملتا ہے جبکہ دونوں ہندو ثالثوں کے بارے میں بھی یہی ہے کہ وہ مقتول کے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی رائے بھی یکساں جذبات رکھتی ہے۔ میری اپنی رائے کے مطابق جبکہ میں نے گواہوں اور دوسری شہادتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ملزم پر قتل کی فرد جرم درست ثابت ہوتی ہے۔ مسٹر سلیم کا یہ کہنا کہ کسی بھی شخص نے قاتل کو نہیں دیکھا تھا اور یہ کہ اگر دو آدمی موجود ہوں تو پھر قاتل ان کی موجودگی میں قتل کرنے کے بعد جائے وقوعہ سے فرار نہیں ہو سکتا۔ دوسرے وہاں پر کوئی عینی شاہد بھی نہیں تھا۔ میرے خیال میں یہ دلائل کوئی وزن نہیں رکھتے ہیں۔ حقائق سے بالاتر کیدارناتھ اور بھگت رام ہندو ہیں اور دونوں ہی مقتول کے ملازم بھی ہیں۔ لہٰذا ان کی شہادت پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ

نظر نہیں آتی۔ ایسی شہادت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتا کہ قاتل اور مقتول کے درمیان کوئی کشمکش ہوئی ہو۔ جس کی بناء پر جیسے کہ معزز وکیل نے اشارہ کیا ہے کہ زخم اسی کی وجہ سے آئے ہیں۔ جس حالت میں مقتول تھا اس حالت میں اپنا بچاؤ کرنے کا جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میڈیکل شہادت بھی کیدار ناتھ اور بھگت رام کی گواہی کی تائید کرتی ہے کہ مقتول اپنی گدی پر بیٹھا ہوا لکھ رہا تھا۔ میری رائے میں ہاتھوں، سر اور کندھوں پر جو زخم آئے ہیں وہ اسی نوعیت کے ہیں کہ مقتول نے اپنے بچاؤ کے لئے جدوجہد کی ہے۔ جب قاتل نے یہ دیکھا کہ اس کے وار زیادہ کارگر نہیں ہو رہے تو پھر اس نے چاقو کی نوک مقتول کے سینے میں پیوست کر دی۔ لیکن اس قسم کے مفروضات اور قیاس آرائی کیدار ناتھ اور بھگت رام کی شہادت کے سامنے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ کیونکہ ان دونوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے مقتول کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

یہ حقائق کہ قاتل پر کچھ کتابیں پھینکی گئی تھیں اس کی تائید وزیر چند (گواہ نمبر ۷) نے بھی کی ہے۔ شہادت میں اس کا فرق کہ چاقو کس طرف پڑا ہوا تھا، میرے خیال میں اہمیت نہیں رکھتا۔ مسٹر سلیم نے ان حقائق پر زور دیا ہے کہ چاقو پیچھے رہ گیا تھا اور برکت علی کے مطابق (گواہ نمبر ۱۰) چاقو کا پھل (بلیڈ) ڈیسک میں گھسا ہوا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ حملہ آور نے مارنے میں وقت لیا لیکن چاقو کی اس پوزیشن کو برکت علی اور ہیڈ کانسٹیبل تارا چند نے خود اختلاف کرتے ہوئے بتایا کہ چاقو کیش بکس اور ڈیسک کے درمیان پڑا ہوا تھا لہٰذا یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ بھگت رام نے جو کتابیں ملزم پر پھینکی تھیں اس کے نشانات ملزم کی کمر پر نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ بھگت رام سے غلطی بھی سرزد ہو سکتی ہے کہ کتابیں ملزم کو لگی ہوں۔ ایسے موقع پر ایک معمولی گواہی کے بارے میں یہ سمجھ لینا نااہلیت ہے کہ جو کچھ اس نے بیان کیا ہے وہ درست ہے۔ اس قسم کے معاملہ میں ایک منٹ سے بھی کم عرصہ لگتا ہے۔ آیئے ایک منٹ کے لئے اس تمام واقعہ کو تصوراتی طور پر دہراتے ہیں جس سے ہم کو ایک خیال ہو جائے گا کہ اس عمل میں کتنا عرصہ لگا ہوگا۔

ملزم اپنے ہاتھ میں چاقو لئے مقتول کی دکان میں داخل ہوا' مقتول کے جسم پر دو یا تین جلدی جلدی ضربات لگائیں۔ چاقو کو رکھا یا نیچے پھینکا اور بازار میں بھاگتا ہے' اس تمام عمل میں کتنا عرصہ لگے گا۔ میرے خیال میں ایک منٹ سے زیادہ عرصہ نہیں لگے گا۔ یہ تمام معاملہ کس قدر جلدی ختم ہو گیا۔ ان حقائق سے ظاہر ہے کہ کیدار ناتھ جہاں بیٹھا ہوا تھا وہاں سے آ گیا اور بھگت رام سیڑھی سے نیچے اتر آیا اور ملزم بازار میں دوڑ رہا تھا۔ لہٰذا معزز کونسل نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ مقتول کو ختم کیا جا چکا تھا اور مارنے والا مسلمان تھا۔ ہندو گواہوں نے اس کو بحیثیت ایک قاتل کے پکڑا تھا۔ اس قسم کے دلائل میں بظاہر معقولیت کی کمی ہے اور تمام معاملہ میں اثبات جرم نہیں ہے۔ وہ یہ بتانے میں ناکام رہا ہے کہ اس مخصوص اور بے گناہ مسلمان راہ گیر کے کپڑوں پر خون کے دھبے کیسے آئے ہیں۔

میں نے مختلف اختلافی نکات پر خصوصی توجہ دی ہے۔ خاص طور پر شہادتوں اور پولیس کے درمیان جو اختلاف رائے ہے اس کو بہت ہی غور سے دیکھا ہے۔ موجودہ عدالت اور سیشن کورٹ جرح کے درمیان اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ اتنی اہمیت کے حامل نہیں ہیں اور اس سے کہانی کی صداقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جرم کرنے کے بعد آدھے گھنٹے سے زائد عرصہ جرم کو کرنے' مجرم کو پکڑنے اور پولیس کا پہنچنے کے بعد تفتیش شروع کرنے میں نہیں لگتا۔ معزز کونسل نے ان الفاظ کو بھی مدنظر رکھا ہوا ہے جو اس نے پکڑے جانے کے وقت ادا کئے تھے' لیکن یقیناً اس قسم کی کہانی بناتے وقت ان کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ گواہ سے کہا جائے کہ وہ وہی الفاظ دہرائے جو اس نے ملزم سے سنے ہوں۔ ہم صرف یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ اس کے بیان سے ان الفاظ کی طرف صرف اشارہ یا نکتہ ہی مل سکتا ہے۔ میں اس سے اتفاق کرتا ہوں اور یہی کافی ہے۔

مجھے آتما رام کے اس بیان پر کہ ملزم نے اس کی دکان سے چاقو خریدا تھا یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ہے کیونکہ اس نے ملزم کی پہچان بھی کی ہے۔ آتما رام بہت ہوشیار اور عقل مند بوڑھا آدمی ہے کیونکہ وہ ایک کباڑیا ہے۔ ملزم کی شناخت اور چاقو

خریدنے کے درمیان صرف تین روز کا وقفہ ہے اور گواہ نے ملزم کے حلیہ کے بارے میں جو بیان انسپکٹر جواہر لال کو دیا ہے وہ بہت واضح ہے۔ میرے خیال میں ملزم کی شناخت کرنے پر کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا اور اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ ملزم کے بارے میں پہلے سے اشارہ کر کے بتایا گیا تھا لیکن اگر ایک لمحہ کے لئے ہم اس شک کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں تو بتایئے یہ کس طرح مقدمہ پر اثر پذیر ہوگی؟ میرے خیال میں اس کا ذرا بھر بھی اثر نہ ہوگا۔ ملزم کا اس قتل کے ساتھ تعلق تمام تر دو عینی شاہد بھگت رام اور کیدار ناتھ کے علاوہ نانک چند، پرما چند، ودیا رتن اور وزیر چند اور خون کے دو دھبے ہیں جو اس کے کپڑوں پر پائے گئے ہیں ان سے گہرا تعلق ہے۔ یہ ایک مضبوط بنیاد ہے جس کی بناء پر ملزم کو قاتل قرار دیا جا سکتا ہے۔

میں یہ ضروری نہیں سمجھتا کہ چاقو کی نوک کے ٹوٹنے پر بحث کی جائے کیونکہ شہادت موجود ہے کہ قتل کرنے کے لئے کسی آلہ کو استعمال کیا گیا ہے آیا کہ نوک پہلے ٹوٹی یا بعد میں ٹوٹی اس سے مقدمہ پر کوئی اثر یا فرق نہیں پڑتا۔ شہادت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم کو مقتول پر حملہ کرتے اور چاقو مارتے ہوئے دیکھا۔ اس کا تعاقب کیا اور جائے واردات سے دس گز کے فاصلہ پر لوگوں نے اس کو پکڑ لیا جبکہ وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ انسانی خون کے دھبے بھی اس کے لباس پر پائے گئے تھے۔

میڈیکل رپورٹ کے مطابق یہ مقتول کے خون کے دھبے تھے جو ملزم کے کپڑوں پر لگ گئے تھے لیکن میرے خیال میں یہ خون کے دھبے اس آلۂ قتل کے تھے جو مقتول کے لئے استعمال کیا گیا تھا اور اس کے جسم سے جو خون اس پر لگا وہی ملزم کے کپڑوں پر بھی لگ گیا۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خون ہر صورت میں مقتول کے جسم کا ہی تھا۔ جب ملزم کو قابو کیا گیا تو اس نے اپنے فعل کو تسلیم کیا اور کہا کہ اس نے محمد ﷺ کے دشمنوں سے بدلہ لے لیا ہے۔ اس قدر واضح اور صاف اقرار کے بعد اب اس پر بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ اس نے آتما رام سے چاقو خریدا تھا یا نہیں کیونکہ آتما رام نے خود اپنی شہادت

میں چاقو کے خریدار کی اچھی طرح شناخت کی ہے۔ یہ مقدمہ بالکل واضح اور صاف ہے۔
میں اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں کہ ملزم علم الدین نے راجپال کو قتل کیا ہے۔کوئی بھی شخص اس گمراہ نوجوان پر افسوس کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس نے متعصّبانہ جذبہ کے تحت اس قدر بزدلانہ اور ظالمانہ فعل سرزد کیا۔اس کا مقصد خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو یہ قتل ہے اور اس کے بدلہ میں اسے سخت سزا ملنی چاہیے۔لہٰذا میں ملزم علم الدین کو دفعہ ۳۰۲ تعزیزات ہند کے تحت ملزم گردانتے ہوئے ملزم کی سزائے موت کی توثیق کرتا ہوں اور اس کو پھانسی کا حکم دیتا ہوں کہ اس کو اس وقت تک پھانسی پر لٹکایا جائے جب تک مر نہیں جاتا۔

مجرم کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ سات یوم کے اندر اندر اپیل کر سکتا ہے۔اس کو فیصلہ کی نقل مہیا کر دی جائے گی اور مقدمہ کا ریکارڈ ہائیکورٹ میں جمع کرا دیا جائے گا تا کہ سزائے موت کی توثیق ہو سکے۔اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تاخیر نہیں ہوگی۔

دستخط سیشن جج

لاہور

۲۲ مئی ۱۹۲۹ء

لاہور ہائی کورٹ میں اپیل

سیشن کورٹ کے فیصلہ کے چند روز بعد غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد طالع مند اپنے ایک دوست کے ہمراہ بمبئی گئے اور اس وقت کے نامور وکیل قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ طالع مند نے قائداعظم محمد علی جناح کو تمام صورتحال سے آگاہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ لاہور ہائی کورٹ میں اپیل کریں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے طالع مند سے کہا کہ وہ لاہور سے اپنے کسی وکیل کو میرے پاس بھیجیں تا کہ وہ مقدمہ کی نوعیت جان سکیں۔ مقدمہ کی نوعیت جاننے کے بعد ہی وہ فیصلہ کر سکیں گے کہ انہیں ہائیکورٹ میں اپیل کرنی چاہئے یا نہیں؟ قائداعظم محمد علی جناح کی بات سن کر طالع مند لاہور واپس آئے اور پھر انھوں نے مسٹر فرخ حسین بیرسٹر کو بمبئی بھیجا جنھوں نے بمبئی پہنچ کر قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی اور انہیں مکمل صورت حال سے آگاہ کیا اور تمام معاملات طے کیئے۔ اس طرح غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو سنائی جانے والی سزا کے خلاف ۱۵ جولائی ۱۹۲۹ء کو لاہور ہائیکورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی۔

چونکہ ایک ہائی کورٹ کا وکیل دوسری ہائی کورٹ میں پریکٹس نہیں کر سکتا تھا اس لئے بمبئی ہائی کورٹ کے قائداعظم محمد علی جناح نے جب پنجاب ہائی کورٹ سے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ میں پیش ہونے کی اجازت مانگی تو پنجاب ہائی کورٹ کے جج مسٹر جسٹس براڈوے نے اجازت دینے کی مخالفت کی لیکن چیف جسٹس سر شادی لعل نے محمد علی جناح کو پیش ہونے کی اجازت دے دی۔ بالآخر جسٹس براڈوے اور جسٹس جانسن کے روبرو مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی وکیل صفائی کی جانب سے قائداعظم محمد علی جناح پیش

ہوئے۔ انہوں نے مقدمہ کے واقعات کو سامنے رکھ کر انتہائی قابلیت کے ساتھ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بے گناہی ثابت کی۔ سب سے پہلے قائداعظم محمد علی جناح نے عینی گواہوں کے بیانات پر جرح کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے عدالت پر واضح کیا کہ عینی گواہ کیدار ناتھ جو مقتول کا ملازم ہے اس لئے اس کی گواہی تامل اور غور کے بعد قبول کرنی چاہئے۔ دوسرے کیدار ناتھ نے اپنے ابتدائی بیان میں بھگت رام گواہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ بھی مقتول کی دوکان کے ہی ایک حصہ میں کام کر رہا تھا اور کیدار ناتھ کی طرح بھگت رام نے بھی بیان کردہ قاتل علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) پر کتابیں پھینکیں اور اس کا تعاقب کیا۔

کیدار ناتھ نے اپنے ابتدائی بیان میں ملزم کے متعلق یہ نہیں کہا کہ اس نے گرفتاری کے بعد اقبال جرم کیا ہے بلکہ وہ سیشن کورٹ میں بیان کرتا ہے کہ ملزم نے کہا ہے کہ میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا بدلہ لیا ہے ان حقائق کی رو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عینی گواہ نمبر ۲ کیدار ناتھ جھوٹا ہے۔ اسی طرح قائداعظم محمد علی جناح نے دوسرے عینی گواہ بھگت رام کی شہادت کو بھی لے کر اس کی کمزوریاں واضح کیں۔ اس کے بعد انہوں نے وزیر چند نانک چند اور پرمانند وغیرہ کے بیانات پر نقادانہ بحث کر کے ثابت کیا کہ کوئی بیان بھی اصلاً قابل اعتماد نہیں بلکہ اس سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص بیان وضع کر کے مختلف آدمیوں کو طوطے کی مانند رٹا دیا گیا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی جرح کے دوران سب سے اہم نکتہ یہ نکالا کہ عام بیانات کے مطابق واقعہ کے وقت مقتول کی دوکان پر ایک مقتول اور اس کے دو ملازم تھے۔ ڈاکٹر کی شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقتول کو آٹھ زخم لگے یعنی اٹھارہ انیس سال کے ایک معمولی نوجوان نے دن دہاڑے تین مردوں میں گھس کر ایک شخص کے جسم میں آٹھ مرتبہ چھری گھونپی اور نکالی اور تین آدمی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے اس کو عقل انسانی صحیح تسلیم نہیں کر سکتی۔ بعد ازاں قائداعظم محمد علی جناح نے آتمارام کباڑی کی شہادت پر جرح کی اور اس کی گواہی کو رد کرتے ہوئے اس کے خلاف کئی دلائل پیش کئے۔

ان بیانات کی کمزوری ثابت کرنے کے ساتھ ہی استغاثہ کو قائداعظم محمد علی جناح نے بالکل بے حقیقت کر دیا۔ بعدازاں قائداعظم محمد علی جناح نے اس امر پر بھی سیر حاصل بحث کی کہ اگر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ قاتل نہیں تھے تو اس کے کپڑوں پر انسانی خون کے دھبے کسی طرح لگے تھے انہوں نے ڈاکٹر کا یہ بیان پیش کیا کہ مقتول کا خون فوارے کس طرح نہیں اچھلا۔ جب یہ حالت ہے تو بیان کردہ قاتل کے جسم پر دھبے نہیں پڑ سکتے۔ لیکن ڈاکٹر نے کہا کہ بیان کردہ قاتل کے کپڑے مقتول کی لاش سے چھو گئے ہونگے۔ قائداعظم محمد علی جناح جناح نے کہا کہ ڈاکٹر کی شہادت کا یہ حصّہ بالکل لغو ہے اسے رائے دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ سیشن جج اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ملزم کے کپڑے مقتول کی لاش سے چھوئے نہیں لیکن لکھتا ہے کہ ڈاکٹر کی رائے کے مطابق یہ خون انسانی ہے۔ اس لئے مقتول کا خون ہے اور چھری سے ٹپک کر ملزم کے کپڑوں میں گرا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جس خون کے دھبے ملزم کے کپڑوں پر ہیں وہ واقعی مقتول کا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ خود ملزم کا خون ہے ملزم کا بیان ہے کہ اسے گرفتار کرنے کے بعد ہندوؤں نے مارا پیٹا اور اس مار پیٹ سے اس کی انگلی اور ران پر زخم آئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بے گناہ ثابت کرنے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مقدمہ کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالی اور کہا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ملزم واقعی قاتل ہے تو بھی اس کی سزا پھانسی نہیں بلکہ عمر قید ہونی چاہئے۔ اس کے لئے قائداعظم محمد علی جناح نے ذیل کے الفاظ میں دلائل پیش کئے:

۱۔ ملزم کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے۔

۲۔ راجپال نے ایک ایسی کتاب چھاپی جسے عدالت عالیہ نے بھی نفاق انگیز اور شرانگیز قرار دیا۔

۳۔ ملزم نے کسی لغو اور ذلیل خواہش سے یہ ارتکاب نہیں کیا بلکہ ایک کتاب سے غیرت کھا کر ایسا کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے عدالت عالیہ کے حضور درج ذیل بحث کی اور اپنا مدعا کھل کر بیان فرمایا آپ نے عدالت عالیہ سے درخواست کی کہ وہ ملزم کو اس الزام سے بری کر دے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

> ''سب سے پہلے میں اس پولیس آفیسر کی گواہی کی جانب عدالت کی توجہ مبذول کراتا ہوں جس نے بیان کیا ہے کہ ہم ملزم سے یہ اطلاع پاتے ہی کہ میں نے آتمارام کباڑی سے یہ چھری خریدی ہے فوراً اس کی دوکان پر پہنچے پولیس نے بذات خود کوئی تحقیق نہیں کی اور صرف ملزم کے بیان پر اکتفا کیا لیکن دفعہ ۲۷ قانون شہادت کی رو سے ملزم کا بیان عدالت میں بطور شہادت پیش نہیں ہوسکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ جج صاحبان اس کا فیصلہ صادر کریں۔''

مسٹر جسٹس براڈوے نے کہا کہ گواہی کے قابل قبول یا نا قابل قبول ہونے کے سوال کا فیصلہ کرنا عدالت ماتحت کا کام ہے۔ آپ نے کہا کہ آپ اس نقطہ پر اب نہیں تو آخر میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ ملزم کو اس مقدمہ میں ماخوذ کرنے کی کافی وجوہ موجود ہیں یا نہیں ۶ اپریل کو راجپال قتل کیا گیا لیکن سوال یہ ہے کہ جس نے راجپال کو قتل کیا وہ کون تھا؟ استغاثہ کی شہادتوں میں دو عینی گواہوں کے بیانات ہیں۔ یہ دونوں گواہ کیدار ناتھ اور بھگت رام ہیں ان عینی گواہوں کے قابل اعتماد ہونے کو پرکھنے کے لئے میں فاضل ججوں کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں گواہ راجپال کے ملازم تھے۔ ان شہادتوں کے پرکھنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ان کے بیانات کے اختلافات کو دیکھا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے کیدار ناتھ کا بیان پڑھ کر سنایا اور کہا کہ یہ سخت تعجب کی بات ہے کہ اس بیان میں گواہ بھگت رام کا کہیں نام نہیں آیا حالانکہ وہ اس وقت دوکان پر موجود تھا۔ برخلاف اس کے گواہ بھگت رام کا کہنا ہے کہ اس نے ملزم کا تعاقب کیا اور

کیدار ناتھ کے ساتھ مل کر ملزم پر کتابیں پھینکیں۔ جرح کے موقع پر بھی کیدار ناتھ نے بھگت رام کا نام نہیں لیا حالانکہ ایک عینی گواہ کی حیثیت سے کیدار ناتھ کو بھگت رام کا نام سب سے پہلے لینا چاہئے تھا۔ یہ ایک نہایت ہی اہم نکتہ ہے اور عینی گواہی کا سب سے بڑا جزو ہے۔

کیدار ناتھ نے ارتکاب جرم کا جو وقت بتایا ہے طبی شہادت اس کی تردید کرتی ہے طبی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گواہ کے بیان کردہ وقت سے دو چند وقت صرف ہوا۔ گواہ کا بیان ہے کہ جب ملزم پکڑا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے کوئی چوری نہیں کی ڈاکہ نہیں مارا بلکہ میں نے صرف اپنے پیغمبر ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ملزم بھاگنا چاہتا تھا اور اس کا تعاقب بھی کیا گیا لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص گرفتار ہوتے ہی فوراً اس طرح اقبال جرم کر لے۔ یہ گواہی بھی پیش کی گئی ہے کہ وہ متواتر اقبال جرم کرتا رہا۔ پولیس کا ایسے موقع پر فرض تھا کہ وہ مجسٹریٹ کے روبرو ملزم کے بیانات قلم بند کراتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا جبکہ ایک تجربہ کار پولیس آفیسر کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ ملزم نے راجپال کی دوکان پر آ کر بھی اقبال جرم کیا ایسا غیر ممکن ہے وہاں پولیس موجود تھی۔ یہ سب کہانی اس قدر غیر قدرتی ہے کہ اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سب کہانی غلط ہے گواہ نے نہ صرف بھگت رام کا نام ہی ترک کر دیا ہے بلکہ وزیر چند کا نام بھی چھوڑ دیا ہے حالانکہ وزیر چند نے ملزم کا تعاقب کیا تھا۔ جرح پر گواہ نے کہا کہ میں وزیر چند کے نام کے کسی شخص کو نہیں جانتا۔ میں اس گواہی پر کہوں گا کہ اگر گواہ سچ بولتا تو وہ بھگت رام کا نام ضرور لیتا۔ اس کے علاوہ پولیس کے سامنے بھی وہ الفاظ بتاتا جو اس نے بعد میں ملزم کی طرف منسوب کئے تھے۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا اس لئے یہ کہانی فرضی ہے۔

دیوان وزیر چند کی گواہی پڑھ کر سناتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا کہ آیا فاضل جج صاحبان اس بات پر یقین کر سکتے ہیں کہ کیدار ناتھ وزیر چند کو نہیں جانتا تھا۔ اگر اسے نام نہیں آتا تو وہ کہہ سکتا تھا کہ کوئی آدمی وہاں موجود تھا۔ اس کے بعد گواہ بھگت رام بھی ایسی ہی کہانی سناتا ہے۔' اس کا بیان ہے کہ ملزم کی پیٹھ اس کی طرف تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کا چہرہ

نہیں دیکھ سکا۔ ہر ایک گواہ ان الفاظ کے متعلق جو ملزم نے کہے مختلف بیانات دیتا ہے۔ بھگت سنگھ نے کہا کہ ملزم نے کہا تھا کہ ہتھکڑیاں میرے لئے سونے کے کڑے ہیں۔ گواہ سچانند نے کم و بیش وہی الفاظ کہے جو نانک چند نے کہے لیکن گواہ ودیا رتن جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے ملزم کو گرفتار کیا بالکل مختلف الفاظ بیان کرتا ہے۔ گواہ نے پہلے کہہ دیا ہے کہ وہ ملزم کے صحیح الفاظ بیان نہیں کر سکتا مگر اس کا ماخذ بتا سکتا ہے۔

میں صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ آتمارام کباڑی ایک سکھایا ہوا گواہ ہے۔ اسے اسی روز معلوم ہو گیا تھا کہ راجپال مارا گیا ہے۔ پھر شناخت پریڈ ہوئی جس میں تین مرتبہ گھومنے کے بعد اس نے ملزم کو شناخت کیا۔ گو اس گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم کی ناک کے قریب ایک نشان ہے کیا چھری بیچنے والا اس قدر باریک بین ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات کا بھی خیال رکھے کہ خریدار کی ناک کے پاس نشان بھی ہے۔ گواہ کا اپنا بیان ہے کہ ملزم کے کان میں دھاگہ پڑا ہوا تھا حالانکہ اس کی بینائی بھی اچھی نہیں۔ اس گواہ کا بیان ہے کہ میں فروخت کی ہوئی چھریوں کو پہچان سکتا ہوں لیکن بعد ازاں اس نے غلط چھری کو شناخت کیا۔ چھریاں عدالت میں پیش کی گئیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ٹوٹی ہوئی نوک دار چھری کی طرف جج صاحبان کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ خود ان چھریوں کو دیکھ کر بتلائیں کہ ان میں کیا تمیز ہو سکتی ہے کہ آتمارام بتلانے کے قابل ہو گیا کہ فلاں چھری ہے۔ ملزم کا بیان ہے کہ میں نے آتمارام کی دوکان سے چھری نہیں خریدی۔

سب انسپکٹر کی شہادت ہے کہ ملزم کی شلوار اور قمیض پر خون کے نشانات تھے اور اسی طرح ملزم کے جسم کے دیگر حصوں پر بھی معمولی نشانات تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم کو بھی ضربات آئیں۔ ملزم کا بیان ہے کہ میرے ساتھ تشدد کیا گیا تھا۔ استغاثہ نے کہیں بھی یقینی طور پر بیان نہیں کیا کہ ملزم کے کپڑوں پر خون کے جو نشانات تھے وہ اسی قتل کی وجہ سے تھے۔ طبی شہادت یہ ہے کہ نشانات شاید مقتول کے نزدیک آنے سے لگ گئے۔ یہ امر واضح ہے کہ یہ مقتول کے خون کے نشانات ہیں اگر میری انگلی زخمی ہو جائے تو اس کے اندر

سے کافی خون نکل آتا ہے۔جس سے میرے کپڑوں پر بڑے بڑے نشانات لگ سکتے ہیں۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ فاضل جج نے فیصلے میں غلطی کی ہے اس نے کہا ہے کہ دو ہندو ملزم کو مجرم بتاتے ہیں لیکن دو مسلمان اسیرا سے بے قصور ٹھہراتے ہیں۔اگر اس وقت ہندو مسلم فرقوں میں کشیدگی تھی تو فاضل جج کا فرض تھا کہ وہ اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کرتا لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ ہندو گواہوں کی رائے فرقہ وارانہ نہ تھی۔اس کے علاوہ فاضل جج نے شہادتوں سے بھی غلط نتیجہ مرتب کیا۔آخر میں قائداعظم محمد علی جناح جناح نے کہا کہ ملزم نوجوان ہے۔راجپال نے بدنام کتاب شائع کر کے مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا تھا۔ اس لئے سزائے موت سخت سزا ہے ملزم پر رحم کیا جائے۔

کھانے کے وقفے کے بعد عدالت نے سرکاری وکیل کی جانب سے بغیر کسی جواب کے لوگوں کو کمرۂ عدالت سے باہر نکال دیا۔لوگوں کو کمرۂ عدالت سے باہر نکالنے کے بعد فیصلہ کو محفوظ کر لیا گیا۔چار بجے کے قریب عدالت نے اپنا تفصیلی فیصلہ سنایا جس میں سیشن کورٹ کے فیصلہ کو برقرار رکھا گیا اور قائداعظم محمد علی جناح کی اپیل کو خارج کر دیا گیا۔

لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ:

تاریخ سماعت: ۱۵ جولائی ۱۹۲۹ء

علم الدین ولد طالع مند، قوم ترکھان، عمر ۲۰/۱۹ سال، سکنہ محلّہ سریانوالہ اندرون شہر لاہور۔ بتاریخ ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو راجپال کے قتل کا مرتکب ہوا ہے اور تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۲ کے تحت اس کو سزائے موت دی گئی۔ اس نے سزائے موت کے خلاف اپیل کی جو ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۷۴ کے تحت ہمارے سامنے موجود ہے۔

مقتول ہندو کتب فروش تھا جس کی دکان ہسپتال روڈ پر واقع ہے۔ کچھ عرصہ قبل اس نے ''رنگیلا رسول'' نامی کتاب لکھ کر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی تھی۔اس ضمن میں تعزیزات ہند کی دفعہ ۵۳/۱ اے کے تحت اس پر مقدمہ چلا گیا۔ جس میں اس کو جنوری ۱۹۲۷ء میں سزا ہوئی۔

مئی ۱۹۲۷ء میں ہائیکورٹ نے اس کی سزا کو معاف کر دیا۔ مذکورہ پمفلٹ اشتعال انگیز تھا۔ جس سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی تھی۔ مسلمان اس وقت زیادہ مشتعل ہو گئے جب ہائیکورٹ نے اس کی سزا کو معاف کر دیا۔ ہائیکورٹ سے بری ہونے کے بعد اس پر دو قاتلانہ حملے کئے گئے۔ جس کے نتیجہ میں اس کی حفاظت کے لئے پولیس کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ حال ہی میں جب وہ ہردوار گیا تو اس کی غیر حاضری میں پولیس کا پہرہ اٹھا لیا گیا تھا وہ ہردوار سے ۴ اپریل کو واپس آیا۔ اس کی واپسی کی اطلاع پولیس گارڈ کو ہوئی یا نہیں یہ امر وضاحت طلب ہے جس کے بارے میں نہیں بتایا گیا۔ ۶ اپریل کو بوقت دو بجے دن اس پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ اس کے قاتل نے مہلک ضربات لگا کر اس کی زندگی کو ختم کر دیا جیسا کہ میڈیکل رپورٹ کی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے آٹھ مہلک زخم لگائے جس میں سے سات کے علاوہ ایک نہایت ہی گہرا زخم تھا۔

اس دوران مقتول نے اپنے دفاع کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں اس کے ہاتھ پر چار زخم آئے۔ اس کے سر پر ایک زخم لگا۔ جس سے دائیں طرف کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ دو شدید زخم بائیں ہڈی پر آئے اور ایک گہرا زخم اس کی چھاتی پر آیا۔ یہ آخری زخم اس کے دل کے پار ہو گیا اور یہی زخم اس کی موت کا سبب بنا۔ اپیل کنندہ نے آتما رام سے ۶ اپریل کی صبح کو ایک چاقو خریدا اور اسی روز دن دو بجے وہ مقتول کی دکان پر پہنچا اور مقتول پر اس وقت حملہ کیا جب وہ برآمدے کے باہر گدی پر بیٹھا ہوا خط لکھ رہا تھا۔ حملہ آور کو کیدار ناتھ اور بھگت رام جو کہ مقتول کے ملازم ہیں اور اس وقت وہاں موجود تھے' انھوں نے شہادت دی۔ اول الذکر برآمدے کے اندر بیٹھا کام کر رہا تھا۔ جبکہ مؤخر الذکر برآمدے کے باہر سیڑھی پر کھڑا ہوا کتابیں الماریوں میں رکھ رہا تھا۔ انھوں نے شور مچایا۔ انہوں نے درخواست گزار پر اپنی کتابیں پھینکیں جس نے اپنا چاقو پھینکا اور باہر دوڑ گیا۔ اس کا تعاقب کیدار ناتھ اور بھگت رام نے کیا۔ ان کے ساتھ باہر سے نانک چند اور پرمانند بھی اس کے تعاقب کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ درخواست گزار لکڑیوں کے ٹال کی طرف مڑا جس کا مالک ودیا رتن اپنے

دفتر کے دروازے میں سے اس کا تعاقب دیکھ رہا تھا۔ جونہی وہ ٹال میں داخل ہوا اور اس نے اپیل کنندہ کو دوسرے تعاقب کرنے والوں کی مدد سے پکڑ لیا۔ اس وقت اپیل کنندہ نے بار بار اونچی آواز میں کہا نہ تو وہ چور ہے اور نہ ہی کوئی ڈاکو ہے بلکہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لے لیا ہے۔ وہ لوگ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو پھر مقتول کی دکان پر لائے۔ پولیس کو مطلع کیا گیا جو اس کو تفتیش کے لئے لے گئی۔ کیدار ناتھ نے نہایت ہی مختصر رپورٹ لکھائی اس نے اپنی اس رپورٹ میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اس اعلان کا ذکر نہیں کیا جو اس نے پکڑنے کے وقت کہا تھا اور نہ ہی اس نے اپنے ساتھی ملازم کے نام کا ذکر کیا۔

اگلے روز علم الدین کے بیان کی روشنی میں آتما رام کی دکان کا پتہ کیا گیا۔ ۹ اپریل کو شناخت پریڈ ایک مجسٹریٹ کی سربراہی میں ہوئی جس میں آتما رام نے اس شخص کو پہچان لیا جس کے ہاتھ اس نے وہ چاقو بیچا تھا جو راجپال کی دکان سے ملا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آتما رام نے ایک ہی نمونے کے بہت سے چاقو بنائے ہوں۔ لہٰذا اس کو دو چاقو دیئے گئے جس میں ایک اس نے پہچان لیا۔ اس نے اپنے بیان میں مزید بتایا کہ اس نے یہ چاقو میڈیکل سٹور سے نیلامی میں خریدے تھے۔

مسٹر جناح نے ان کی بتائی ہوئی کہانی پر بحث کرتے ہوئے دلیل دیتے ہوئے کہا کہ کیدار ناتھ مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر قابل بھروسہ گواہ نہیں ہے اس لئے کہ وہ مقتول کا ملازم تھا اس لئے اس کا اس میں مفاد ہے اور اس نے ایف آئی آر میں یہ نہیں بیان کیا کہ بھگت رام اس کے ساتھ تھا اور یہ کہ اپیل کنندہ نے یہ کہا تھا کہ اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لے لیا ہے۔

جہاں تک بھگت رام کا تعلق ہے وہ بھی مقتول کا ملازم تھا اور اس کا مفاد تھا اور جہاں تک دوسروں کی گواہی کا تعلق ہے وہ تفصیل میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ پولیس کی اس شہادت پر اعتراض کیا گیا جو اس نے آتما رام کے پتہ چلانے میں دی اور آتما رام نے چاقو اور علم الدین کی شناخت کے بارے میں گواہی دی ہے۔ وہ بھی درست

نہیں ہے اور قابلِ بھروسہ نہیں ہے۔ جہاں تک اس بیان کا تعلق ہے جو پولیس نے اپیل کنندہ سے آتمارام کا پتہ معلوم کرنے کے بارے میں لیا ہے' وہ سمجھتا ہوں کہ غیر ضروری ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ کہ آتمارام کی دکان پر مختلف نمونہ جات کے چاقو تھے اور اس کا وہ چاقو پہچانا جس سے مقتول پر حملہ کیا گیا۔ اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی یہ کہانی کہ اپیل کنندہ ۱۶ اپریل کی صبح کو اس کی دکان پر آیا۔ چاقو خریدنے پر سودابازی کی اور پھر ایک روپیہ میں خریدنے پر رضامند ہو گیا اور پھر گواہ سے یہ کہا کہ اس کی ایک طرف دھار لگا دو اور تب تک میں رقم لے کر آتا ہوں۔ علم الدین ایک گھنٹے کے بعد آیا ایک روپیہ ادا کیا اور چاقو لے لیا۔ ان حالات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ گواہ نے خریدار اور چاقو دونوں کی شناخت کر لی ہو۔ شناخت پریڈ ۱۹ اپریل کو شام ۵ بجے پولیس لائن میں مجسٹریٹ درجہ اول کی سربراہی میں کرائی گئی جس نے شناخت پریڈ کو درست قرار دیا۔

درخواست گزار نے جواہر لال انسپکٹر کے بارے میں عدالت میں یہ بیان دیا تھا کہ مذکورہ انسپکٹر نے شناخت پریڈ سے پہلے آتمارام کو مجھے (غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ) کو دیکھایا تھا۔ کیا یہ اہم نہیں ہے کہ اس بارے میں انسپکٹر جواہر لال سے کوئی سوال نہیں کیا گیا اور مجسٹریٹ کا یہ کہنا کہ علم الدین نے اسے یہ بات نہیں بتائی تھی درست نہیں ہے۔ دریں اثناء میرے خیال میں آتمارام کا بیان کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اس میں کوئی صداقت اور سچائی نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ کیدار ناتھ کا بیان مختصر ہے اور اس میں تفصیل کی کمی ہے۔ اس کا بھگت رام کے نام کا ذکر نہ کرنا جو وہاں موجود تھا اس کا تعاقب کرنا اور پھر پکڑا جانا میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کا یہ ذکر نہ کرنا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لے لیا ہے میٹریل ہو سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے بارے میں بہت سی شہادتیں دی جا سکتی ہیں کیونکہ ان الفاظ کا اضافہ اس وقت کیا گیا جب مقدمہ شروع ہو چکا تھا' اس سے پہلے اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

ودیارتن کے بیان کے حوالہ کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ صرف مثال

کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ شہادت یقیناً کوئی مفاد نہیں رکھتی ماسوائے اس کے کہ یہ ہندو ہے اس نے اپیل کنندہ کو پکڑنے میں مدد دی۔ اس کو چیلنج نہیں کیا گیا۔ وہ کہتا ہے جب اپیل کنندہ کو اس نے پکڑ لیا تو اس نے کہا "مجھے جانے دو، میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے رسول ﷺ کا بدلہ لے لیا ہے۔ جبکہ جرح کے دوران وہ کہتا ہے کہ مجھے صحیح الفاظ یاد نہیں جو کہ ملزم نے استعمال کیے تھے لیکن جو کچھ بھی میں نے کہا ہے، وہ اپنے حافظہ کے بل پر کہا ہے۔ اس نے کہا ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے بیان پولیس کی جرح کے بعد دیا اور سیشن جج کے ایک نوٹ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ درخواست گزار کے بارے میں یہ بیان درست نہیں ہے۔

تمام شہادتیں اور واقعات اس امر کو تقویت پہنچاتی ہیں کہ راجپال کو "رنگیلا رسول" نامی کتاب لکھنے پر قتل کیا گیا۔ درخواست گزار اس کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ اس کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ میں اس لئے شہادت کے اس بیان کو درست تسلیم کرتا ہوں۔ پھر کیدار ناتھ اور بھگت رام کی بتائی ہوئی کہانی میں مجھے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی ہے۔ انھوں نے حلفیہ بیان دیا ہے کہ انہوں نے حملہ آور راجپال کی دکان سے لکڑی کے ٹال تک تعاقب کیا ہے اور وہ ان کی نظروں میں سے کبھی اوجھل نہیں ہوا۔ اس بیان کی تصدیق نانک چند پر ماچند نے کی ہے جبکہ وزیر چند نے بیان دیا ہے کہ اس نے ماسوائے علم الدین کے اور اس کے تعاقب کرنے والوں کے علاوہ نہیں دیکھا۔ اس لئے مقتول کے قاتل کو پہچاننے پر شک کیا جا سکتا ہے۔ درخواست گزار کے کپڑوں پر پائے جانے والے خون کے نشانات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا مجھے اس میں کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ محترم سیشن جج یہ فرض کر لیں کہ یہ نشانات مقتول کے خون کے ہیں۔

میڈیکل رپورٹ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ راجپال نے اپنے بچاؤ کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے اسے چند ضربیں پہنچیں لیکن اپیل کنندہ کے خلاف دی ہوئی شہادت اس کے بالکل خلاف جاتی ہے اور نہ ہی اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ چاقو کی نوک کہاں اور کیسے ٹوٹی

تھی؟ چاقو کی ٹوٹی ہوئی نوک اور اس کا نہ ملنا بھی نا قابل یقین ہے۔ مجھے عزت مآب سیشن جج کی اس رائے سے اتفاق کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ مجرم پر جرم ٹھونس دیا گیا ہے۔ آخر میں مسٹر جناح نے سزائے موت کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سزا اس لئے عائد نہیں ہوتی کہ مجرم کی عمر انیس اور بیس سال کے قریب ہے اور پھر یہ بھی کہ اس نے یہ جرم اس لئے کیا ہے کہ اس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی گئی جس سے غصہ میں آ کر اس نے راجپال پر حملہ کیا۔

جیسا کہ مقدمہ امیر بنام کراؤن نمبر ۹۵۴ سال ۱۹۲۶ء میں محض یہ کہنا کہ قاتل کی عمر ۲۰/۱۹ سال ہے' یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ قانون اس کو مناسب سزا دے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم الدین کی عمر ۲۰/۱۹ سال نہیں ہے۔ اس لئے یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اس کو سزائے موت دی جائے۔ میرے نزدیک مسٹر جناح کی یہ کوئی مناسب اور معقول وجوہات نہیں ہیں کہ ایک ایسا شخص جس نے قصداً اس قسم کا گھناؤنا قتل کیا ہو' اس لئے میں اپیل کو خارج کرتا ہوں اور سزائے موت کی توثیق کرتا ہوں۔

لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اللہ عزوجل کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے بزدلوں کی طرح قیدی بن کر جیل میں سڑنے کی بجائے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان قربان کرنے کا موقع دیا۔ اللہ عزوجل میری اس قربانی کو قبول فرمائے اور اب مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دینے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

میانوالی جیل میں

وسعتے پیدا کن اے صحرا کہ امشب در غمش
لشکر آہ من ازدل خیمہ بیرون می زند

لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کے بعد ہندو مسلم کشیدگی میں بے پناہ اضافہ ہو گیا اور ہر وقت اس بات کا خدشہ موجود رہنے لگا کہ کہیں فسادات نہ پھوٹ پڑیں۔ اس بات کے پیش نظر حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو سنٹرل جیل لاہور سے میانوالی جیل منتقل کر دیا جائے۔ لہٰذا یہ سارا کام رازداری کے ساتھ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء کی رات ساڑھے نو بجے ہوا اور انہیں بس پر بٹھا کر گوجرانوالہ پہنچا دیا گیا جہاں سے ساڑھے بارہ بجے رات ریل گاڑی پر میانوالی روانہ کیا گیا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو ٹرین کے فرسٹ کلاس ڈبے میں محصور کیا گیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ چار سپاہی اور دو سارجنٹ اور ایک چھوٹا کپتان تھا۔ میانوالی گاڑی بروز جمعہ اڑھائی بجے پہنچی اور وہاں سے پولیس بعجلت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو میانوالی ڈسٹرکٹ جیل میں لے گئی۔

طالع مند کو کسی ذریعہ سے اطلاع ملی کہ اس کے بیٹے کو اب میانوالی جیل منتقل کر دیا گیا ہے تو انہوں نے اس بات کی تصدیق کی۔ جب ان کو پتہ لگا کہ واقعی ان کے بیٹے کو میانوالی جیل منتقل کر دیا گیا ہے تو وہ بھی گھر والوں اور دوسرے عزیز واقارب کے ہمراہ میانوالی جیل پہنچے اور میانوالی میں اہل خانہ کے ہمراہ داروغہ میانوالی جیل میاں اکبر کے گھر

مقیم ہے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ جب جیل میں ملاقات کے لئے گئیں تو اس وقت ان کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے گھر والوں کی اس کیفیت پر شدید افسوس کا اظہار کیا اور واضح الفاظ میں کہا:

"جس نے مجھے رو کر ملنا ہے وہ مجھ سے قطعی طور پر نہ ملے۔"

میانوالی جیل میں منتقلی کے بعد کئی لوگ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے میانوالی جاتے رہے جن میں کئی مشہور شخصیات بھی شامل تھیں۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو رونما ہونے والے چند واقعات کا اعادہ کیا جاتا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جیل میں کیا حال تھا؟

پنجابی کے مشہور شاعر عشق لہر نے میانوالی جا کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی تو اس وقت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک عجب سرشاری کے عالم میں تھے۔ انہوں نے ان سے اپنے حسب حال اشعار سنانے کی خواہش ظاہر کی تو عشق لہر نے فرمایا کہ علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ)! تم نے اپنی روتی والدہ کو صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ جس نے مجھے رو کر ملنا ہے وہ میرے پاس نہ آئے اور اب اگر میرے اشعار سنانے کے دوران میرے آنسو نکل آئے اور میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا تو تم مجھ سے بھی ناراض ہو جاؤ گے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حوصلہ رکھیں، میرا دل مطمئن ہے یقین کرو جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اگر بخدا! تم بھی دیکھو تو تم کبھی غمگین نہ ہو۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ توقف کے بعد پھر کہا کہ مجھے حسب حال کچھ اشعار آپ سے سننے ہیں اور میری آپ سے التجا ہے کہ بخل سے کام نہ لیں۔ اس پر استاد عشق لہر نے فرمایا کہ سناؤں گا اور ضرور سناؤں گا مگر میں آج کے دن پہلے کچھ آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ استاد عشق لہر کی اس فرمائش پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی کے اشعار ذیل بڑے ہی سوز عشق کے انداز میں سنائے:

من عاشق سرمستم از داد میندیشم
پروانۂ جان بازم از ناز میندیشم
چوں طالب دیدارم از غیار چہ دارم
چوں عاشق گلزارم از خار میندیشم
باد دست چو مشغولم دشمن چہ کند برمن
چوں گنج بدست آمد از مار میندیشم
من دار بلائش را چوں تخت شہی دانم
حلاج وہم عاشق از دار میندیشم

بعد میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ان اشعار کا اردو ترجمہ بھی سنایا:

کب عاشق سرمست ہوں، میں وار سے ڈرتا نہیں
جان باز پروانہ جو ہوں، میں نار سے ڈرتا نہیں
میں طالب دیدار ہوں، اس کا نہیں غم مجھے
جب عاشق گلزار ہوں میں، خار سے ڈرتا نہیں
مشغول ہوں میں دوست سے دشمن کا اندیشہ نہیں
حاصل خزانہ ہو گیا، میں مار سے ڈرتا نہیں
پھانسی کا تحفہ واسطے میرے ہے، اک تخت شہی
ہاں عشق میں حلاج ہوں میں دار سے ڈرتا نہیں

ان اشعار کو سن کر استاد عشق لہر جذب و مستی کے عجب خمار میں ڈوب گئے اور پھر دریافت کیا کہ اے فخر دین وملت! اے پروانۂ شمع رسالت! آپ کی کوئی آخری خواہش ہو؟

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"میرے دل میں صرف یہی ایک تمنا ہے کہ یہ ناپائیدار رشتہ حیات کہیں جلد از جلد ٹوٹ جائے تا کہ مضطرب روح جسد خاکی سے رہائی

پا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔"

بعدازاں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مسلسل اصرار پر استاد عشق لہر نے ذیل کے پنجابی اشعار اپنے مخصوص لہجے میں سنائے:

علم الدین! محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے نام اتوں، میاں جان جوانی نوں وار یائی
آفرین غازی! تیرے حوصلے دا مارا راجپال کمبخت نوں ماریائی
جیہڑا چکیا بوجھ محبتاں دا، چڑھکے دار تے سروں اتاریائی
بیڑا ڈوب کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دے دشمناں دا، علم الدین توں کل نوں تاریائی

اور پھر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ذیل کے اشعار مستانہ لہجے میں استاد عشق لہر کو سنائے جو ایک تاریخی حیثیت کے حامل ہیں:

دن ہفتے دا میں قربان جاواں اللہ بخشی سی ایہہ مراد مینوں
قسم رب دی بندہ نہ نال کوئی، مدد دتی سی اللہ جلال مینوں
خنجر ماریا سی حکم رب دے نال ایہو دل دے وچ مراد مینوں
علم الدین ڈرنا موت تھیں نہیں جھنڈے نبی دے نال پیار مینوں

میانوالی جیل میں منتقلی کے چند یوم کے بعد سیال شریف کے سجادہ نشین نے بھی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ پیر صاحب نے جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ مبارک پر نگاہ ڈالی تو ایک عجیب جلال و جمال اس کے چہرے پر موجود پایا اور بے حد مرعوب ہوئے اور کوئی خاص بات ہونے کے باعث منہ سے کوئی بات نہ نکال سکے۔ حکم ربی انہوں نے سورہ یوسف کی تلاوت شروع کر دی چونکہ پیر صاحب ایک اچھے قاری اور حافظ تھے لیکن وہ اپنے اندر سورۂ یوسف پڑھنے کا یارانہ پاتے تھے اور وفور جذبات سے ان کی آواز بار بار رک جاتی تھی۔ اس پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا کہ بسم اللہ شریف پڑھ کر ایک دفعہ پھر سے شروع کریں۔

پیر صاحب نے دوبارہ تلاوت کا آغاز کیا لیکن اس دفعہ بھی روانی نہ آسکی اکثر

گلوگیر ہو کر رک جاتے اور کسی اور عالم میں پہنچ جاتے گو غازی علم الدین قرآن پاک نہیں پڑھے ہوئے تھے اور انہیں سورۂ یوسف ہرگز نہ آتی تھی لیکن وہ پیر صاحب کو صحیح لقمے دیتے رہے اور سورۂ یوسف پڑھنے میں پوری پوری مدد کی۔ پیر صاحب ملاقات کر کے باہر آئے تو فرطِ حیرت سے ان کی زبان گنگ تھی انہوں نے صرف اتنا فرمایا:

"میں علم الدین کے لبادے میں کوئی اور ہستی پاتا ہوں' کون کہتا ہے کہ غازی علم الدین ان پڑھ اور جاہل ہیں' انہیں علم لدنی حاصل ہے اور وہ کائنات کے اسرار و رموز سے واقف ہیں۔"

شہادت سے دو روز قبل غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے ان کا دوست شیدا میانوالی گیا بوقت ملاقات آپ بڑی گرم جوشی سے شیدے سے ملے اور صاف الفاظ میں کہا:

"راجپال کا قاتل میں ہوں بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں نے موت سے ڈر کر عدالت میں ارتکاب فعل سے انکار کیا ہے یہ سراسر غلط ہے مسلمان کا عقیدہ ہے کہ حیات دنیا مستعار ہے اور ہم سب کو ایک نہ ایک دن اس دارِ فانی سے گزرنا ہے پھر میں کیونکر موت سے ڈر سکتا تھا عدالت میں میرے جو بیانات ہوئے وہ میں نے اپنے بزرگوں کے کہنے کے مطابق بادل ناخواستہ دیے ہیں میرے نزدیک عشق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں کٹ مرنا وہ بلند ترین رتبہ ہے جو کسی مسلمان کو مل سکتا ہے اس لئے موت پر غمگین ہونا تو درکنار میرے لئے یہ خبر کہ پریوی کونسل میں میری اپیل نامنظور ہو گئی ہے انتہائی مسرت کا موجب ہے اور میں خوش ہوں کہ مشیت الٰہی نے اس زمانہ میں چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے مجھے اس سعادت کے لئے منتخب کیا تمام مسلمانوں کو میرا یہ پیغام دینا کہ وہ میرے جنازہ پر آنسو نہ بہائیں۔"

ہے جس کی خلوتوں کا سہارا غم رسولؐ
وہ گوشۂ لحد میں بھی تنہا نہیں ہوا کرتا

ہندو اخبارات و رسائل کی ان بے بنیاد باتوں کے جواب میں وقار اللہ عثمانی نے ۴ ستمبر کو روزنامہ انقلاب میں اپنا ایک مضمون تحریر کیا جس میں وقار اللہ عثمانی نے کہا:

''میں کل شام تین بجے سنٹرل جیل لاہور میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملا۔ وہ ماشاء اللہ خوش و خرم ہیں اور ان کی صحت قابل رشک ہے میری ان سے ملاقات قریباً بیس سے پچیس منٹ تک جاری رہی میں نے کبھی بھی پھانسی کے مجرم کو اس قدر اطمینانی کیفیت میں نہیں دیکھی۔''

میں سمجھتا ہوں تیری عشق گری کو ساقی
کام کرتی ہے نظر نام ہے پیمانے کا

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے میانوالی جیل میں اپنے عزیز و اقارب کو ذیل کی وصیت کی:

''میرے پاس جو بھی میرا عزیز و رشتہ دار آئے' وہ مجھے روتا ہوا نہ ملے بلکہ وہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا ہوا ملے۔ میری سزائے موت پر عمل درآمد کے بعد مجھے غسل اور کفن یہیں سے ہی دیا جائے اور میری نماز جنازہ بھی یہیں سے پڑھائی جائے تا کہ میانوالی کے مسلمان بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔ لاہور نعش لے جانے کے بعد وہاں بھی غسل دیا جائے۔' اگر ہو سکے تو وہ چارپائی استعمال میں لائی جائے جس پر حضرت مولانا مولوی خلیفہ تاج الدین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بانی قدیمی اسلامی درس گاہ دارالعلوم انجمن نعمانیہ اندرون ٹیکسالی گیٹ لاہور کی نعش لے جائی گئی تھی اسے ضرور مہیا کر لیا جائے۔ میانوالی سے لاہور تک جس گاڑی میں بھی میری نعش لے جائی جائے اور وہ گاڑی جس وقت جس اسٹیشن پر رکے وہاں بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد کیا جائے۔ میرا جنازہ چوبرجی عید گاہ گراؤنڈ میں رکھا جائے اور وہیں اہلیان لاہور کے مسلمان میری نماز جنازہ پڑھیں اور میرے حق میں دعائے خیر کریں۔ میری قبر کے چاروں کونوں میں گلاب کے چار گملے لگائے جائیں۔ قبر ننگی رکھی جائے تا کہ اس پر بارانِ رحمت کی بوندیں ٹپکتی

رہیں۔ مجھے صندوق میں بند کر کے قبر میں نہ رکھا جائے مجھے بطریق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن کیا جائے میری قبر کو پختہ نہ بنایا جائے۔اس کی حفاظت کے لئے اس کے گرد اکھڑا بنایا جائے اور قبر کے گرد کٹہرا میرے والد اپنے ہاتھ سے تیار کر کے لگائیں۔''

سپرنٹنڈنٹ جیل کو تحریری وصیت:

جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آخری ملاقات ہوئی اس کے بعد غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جیل سپرنٹنڈنٹ کو بلایا اور اس کو مندرجہ ذیل وصیت لکھوائی تاکہ بعد از شہادت اس پر عمل ہو سکے اور اس وصیت کو پڑھ کر تسلی کرنے کے بعد انہوں نے اسے بذریعہ کمشنر اپنے والد طالع مند تک پہنچایا:

''میرے تمام عزیز و اقارب کو تاکید کر دی جائے کہ میرے پھانسی لگ جانے کے بعد ان کے گناہ بخشے نہیں جائیں گے بلکہ ہر ایک کو روز آخرت اپنے عمل کا جواب دینا ہوگا اور اپنے عمل سے ہی وہ دوزخ سے چھٹکارا پائے گا۔نماز قائم کریں اور احکام شرعیہ کی مکمل پابندی اختیار کریں زکوٰۃ دیں۔ بھائی محمد دین اور بھائی غلام محمد! تم پر جب بھی کوئی مصیبت نازل ہوتو آغاز کے بعد یا مزمل کا ورد ضرور کریں۔ مزار کی تیاری کے بارے میں لکھوایا کہ میری قبر کا فرش دوفٹ اونچا اور تین فٹ مربع ہو۔میری قبر کا کٹہرا جو سارے تھڑے کا احاطہ کئے ہوئے ہو' سوا دو فٹ اونچا ہو۔تمام سنگ مرمر کا بنایا جائے۔ایک جانب سے ۲۱۰۲ یا ۳۱۰۲ فٹ کی جگہ کچی رکھی جائے۔یہ جنگلہ لکڑی کا میرے والد بزرگوار اپنے ہاتھ سے بنا کر لگائیں۔قبر اندر سے کچی رکھی جائے۔ مجھے صندوق میں دفن کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نیچے صرف ریت بچھائی جائے۔میرے خاندان میں سے جو آدمی بھی

وفات پائے۔ اس کی قبر میرے دائیں ہاتھ بنائی جائے۔ بڑے تھڑے کے چاروں کونوں پر گلاب کے پودے لگائے جائیں۔ باہر کی طرف دو کوٹھڑیاں بنائی جائیں اور کنواں بھی تعمیر کیا جائے اور مسجد وہاں بنائی جائے اور اس کا فرش میری قبر کے فرش سے کسی حالت میں کم نہ ہو۔ جب مجھے دفن کر دیا جائے تو دو رکعت نفل نماز شکرانہ ادا کریں اور دو نفل میری مغفرت کے واسطے ادا کئے جائیں۔ میری لاش کے ہمراہ دنگا وفساد نہ کیا جائے اور امن وامان کی تلقین کی جائے میری نعش کے ہمراہ ذکر الٰہی کا ورد رکھا جائے اور اس دوران کوئی بھی اپنے سر سے پگڑی نہ اتارے۔ میری جو قمیض عدالت میں پڑی ہوئی ہے وہ میرے ماموں سراج دین کو دی جائے اور میری شلوار بھائی محمد دین کو دی جائے۔ یہاں جیل میں جو میرے کپڑے ہیں ان میں سے میری پگڑی میرے تایا کو دی جائے اور قمیض چھوٹے تایا نور الدین کو اور کرتی جھنڈو برادر بھجے کو دی جائے اور بھائیوں کو السلام علیکم کہا جائے۔"

کیفیت خوشی و سرشاری

۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کا دن جو پھانسی پانے والے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا آخری لمحہ تھا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب اس قید خانے سے باہر کی دنیا کا رابطہ بالکل کٹ جاتا ہے اور تختہ دار پر چڑھنے تک صرف اور صرف اپنے رب کے سوا بندہ ہر ایک سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ورثاء کو جیل میں بلایا گیا اور انہیں پانچ دستوں میں تشکیل دیا گیا ہر دستہ چودہ افراد پر مشتمل تھا۔

والد طالع مند کی ملاقات:

پہلا دستہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد طالع مند کے ہمراہ دس بجے صبح ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ملاقاتیوں کو استقبال دل آویز مسکراہٹ سے کیا اور باری باری ہر ایک کی خیریت دریافت کی اس وقت اس کے چہرے پر عجیب سی خوشی و سرشاری رقصاں تھی۔ جب طالع مند نے اس بارے میں استفسار کیا تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا دلی راز خوشی یوں بیان کیا!

> ''میں نے اللہ عزوجل کے حضور دعا مانگی تھی کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار نصیب ہو جائے جس کے تحت آج رات کو خواب میں مجھے ان کا دیدار ہوا اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو؟ جس کے جواب میں میں نے کہا کہ آپ کلیم اللہ ہیں اللہ عزوجل سے دعا کریں کہ میں نے اپنے والد کے کہنے پر عدالت میں جو جبراً جھوٹ بولا تھا کہ میں نے راجپال کو قتل نہیں کیا ہے اللہ عزوجل میرا وہ گناہ

معاف کر دیں اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجھے یہ خوشخبری سنائی ہے
کہ اللہ عزوجل نے میرا یہ گناہ معاف کر دیا ہے اور مجھے اس معاملے
میں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے آج میں بے حد
خوش ہوں اور اللہ عزوجل کا بار بار شکر ادا کرتا ہوں۔''

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام عزیز واقارب کو اپنے ہاتھ سے تھوڑا تھوڑا پانی بھی پلایا اور اپنے والد طالع مند سے التجا کی کہ وہ خوب سیر ہو کر پانی پی لیں جب وہ پانی پی کر سیر ہو چکے تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا اس پانی سے ان کے دل کو تسکین اور ٹھنڈک بھی ہوئی ہے؟ اس پر انہوں نے اس بات کی تصدیق کی تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''اللہ عزوجل کی قسم! میرا کلیجہ بھی ایسا ہی سرد اور پر تسکین ہے میرے
بعد آپ میں سے جو بھی مجھ پر روئے گا وہ میرا دشمن ہوگا۔''

والدہ کی ملاقات:

دوسرے دستے کی قیادت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کر رہی تھیں۔ اس دستے میں صرف عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی والدہ سے فہمائش کی کہ مجھے اپنا لبادہ بخش دیں تاکہ میں پر سکون ہو کر مر سکوں۔ ماں کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسو دیکھ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

''ماں تو تو خوش نصیب عورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے مجھ جیسا خوش
قسمت بیٹا دیا ہے اور تیرے لئے تو یہ خوشی کا موقع ہے کہ تیرے بیٹے
کو ایسی موت نصیب ہو رہی ہے جس کی آرزو ہر مسلمان کرتا ہے یہ تو
اللہ تعالیٰ عزوجل کی خاص عنایت ہے۔''

بھائی محمد دین کی ملاقات:

تیسرا دستہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی میاں محمد دین کے ساتھ

آپ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ پہلے کی طرح کھڑے ہو گئے۔ سب عزیزوں سے ان کی خیریت دریافت کی اور بڑے بھائی سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہے۔ پھر اپنے بھائی کو اپنی منگیتر فاطمہ بی بی کے متعلق وصیت فرمائی:

''اسے ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہنا اور اس کی شادی میں ایک بھائی کی حیثیت سے شامل ہو کر تمام حقوق ادا کرنا۔''

ہمشیرہ معراج بیگم کی ملاقات:

چوتھے دستے کی قیادت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ معراج بیگم نے کی ان کے ساتھ بھی صرف عورتیں تھیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ پھر سب سے فرداً فرداً مخاطب ہوئے۔ اس کے بعد بہن کے ساتھ محبت بھری باتیں کیں اور فرمایا:

''میری بہن! تو بہت خوش نصیب ہے آج کے بعد تو ہمشیرہ شہید رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جانی جائے گی کسی بہن کے ارمانوں کی دنیا قید حروف میں نہیں آسکتی۔''

عزیز و اقارب کی ملاقات:

پانچواں اور آخری دستہ ملاقات کے لئے حاضر ہوا اس میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دور و نزدیک کے رشتے دار شامل تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ دوستی کے لہجے میں ان سے گفتگو ہوئی ماضی کی یادیں تازہ کیں اور آخر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا:

''منشی طاہر الدین اور ان کے ملنے والوں کو میرا اسلام دے دینا۔''

اور یوں دو بجے اس آخری ملاقات کا وقت ختم ہوا۔

عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کوٹھری کی طرف لوٹ گیا اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا کہ کب وہ گھڑی آئے جب اسے وصال الٰہی اور قرب و دیدارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب

ہو جائے اور وہ امر ہو جائے۔

وارڈن نواب دین مرحوم سپاہی پھگواڑہ جوان کی نگرانی پر مامور تھا۔ اس نے انکشاف کیا کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو تختہ دار پر چڑھانا تھا۔ ۳۰ اور ۳۱ کی درمیانی شب کو میں ان کے کمرے کا نگراں تھا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وہ ساری رات سجدوں اور تلاوت میں گزاری۔ صبح کو چار بجے میں نے دیکھا کہ کوٹھڑی بدستور بند ہے؟ لیکن غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اندر موجود نہیں تھے۔ میں پریشان ہو گیا کہ انہیں اس کوٹھری سے کون نکال کر لے گیا ہے؟ اب میں جیل حکام کو کیا جواب دوں گا؟ میں نے دل کڑا کر اپنے ساتھیوں اور جیل حکام کو اطلاع دی اور کہا کہ اگر سازش ہوئی ہے تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کہیں دور نہیں جا سکتے کیونکہ ابھی ابھی وہ سربسجود تھے۔ میں جونہی ایک چکر لگا کر آیا تو انہیں غائب پایا۔ اس پر سب نے اندر غور سے جھانکا لیکن کوٹھری خالی تھی۔ ابھی ہم انہیں ادھر ادھر تلاش ہی کر رہے تھے کہ اچانک ان کا کمرہ روشنی سے منور ہو گیا اور ہم نے دیکھا کہ وہ مصلے پر بیٹھے ہیں اور ایک نورانی صورت بزرگ ان کے سر پر ہاتھ پھیر رہے ہیں۔ اب ہم نے جونہی اندر جھانکا تو وہ بزرگ غائب تھے اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ تسبیح پڑھ رہے تھے۔

بقول نواب دین!

"میں نے ان بزرگ کے واضح الفاظ سنے جو انہوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کہے کہ بیٹا! حوصلہ رکھنا اور گھبرانا نہیں۔"

آرزو کی تکمیل

۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کی صبح کا دن برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہی وہ صبح ہے جس وقت آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر قربان ہونے کے لئے اور شہادت کی آرزو کی تکمیل کے لئے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ پھانسی کے تختے پر چڑھ گئے۔

تختہ دار جانے کی تیاری:

۳۰ اور ۳۱ اکتوبر کی درمیانی شب کو بوقت تہجد غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے نماز تہجد ادا کی اور بعد از نماز تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو گئے۔ فجر کا وقت شروع ہوا تو نمازِ فجر ادا کی اور ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لئے اٹھا دیئے۔ ابھی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ دعا میں مصروف ہی تھے کہ کوٹھری سے باہر سے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر کمرہ جیل کے دروازے کے پاس کوئی آ کر رکا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے دروازے کی جانب نگاہ دوڑائی تو داروغہ جیل کے ہمراہ ایک اور شخص کو بھی دروازے پر موجود پایا جس کے ہمراہ چند مسلح جوان پولیس کے بھی کھڑے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی جانب دکھا تو مجسٹریٹ نے جو داروغہ جیل کے ہمراہ آیا تھا ان کی آنکھوں میں منڈلاتے سوال کو دیکھ کر کہا کہ وہ گھڑی آ گئی ہے تیار ہو جاؤ۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے والہانہ فرمایا کہ میں تیار ہوں۔

۲۶ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ بمطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء بروز جمعرات کو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اس وقت غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی حالت

دیدنی تھی۔ مقتل گاہ میں موجود ہر شخص حتیٰ کہ مجسٹریٹ بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ مجسٹریٹ نے اسی حیرت کی عالم میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آخری خواہش یا کوئی وصیت وغیرہ؟ غازی علم الدین نے کہا کہ مجھے دو رکعت نماز نفل شکرانہ ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔ جس پر مجسٹریٹ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت دے دی۔ ایسے وقت داروغہ جیل کی آنکھیں آنسوؤں سے معمور ہو گئیں اور اس کی آنکھوں میں آنسو ٹپکنے لگے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف ایک نگاہ ڈالی اور کہا:

"تم اس بات کے گواہ رہنا کہ عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرزو کیا تھی؟"

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی پرسکون انداز میں دو رکعت نماز نفل شکرانہ ادا کیئے۔ لیکن نماز ادا کرنے کی بے تابی اور جلدی کا اظہار واضح تھا جس سے مجسٹریٹ ایک مرتبہ پھر حیران و پریشان تھا۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ تختہ دار کی جانب:

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نماز سے فارغ ہوئے۔ داروغہ جیل نے کوٹھری کا دروازہ کھولا اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اس اثناء میں مسکراتے ہوئے مصلے سے اٹھے اور دروازے کی جانب لپکے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا دایاں پاؤں کوٹھری سے باہر نکالا تو مجسٹریٹ نے کہا کہ جلدی چلیں اور دیر نہ کریں۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے تیز تیز قدم اٹھانے شروع کیئے اور کشاں کشاں تختہ دار کی جانب بڑھے۔ جیل میں بند دوسرے قیدی بھی حیرانی سے اس عاشق زار کی چال کو دیکھ رہے تھے ایک کوٹھڑی کے سامنے سے گزرتے ہوئے آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا اور اس قیدی کو سلام بھی کیا اور خدا حافظ بھی کہا جواب میں اس نے نعرۂ رسالت بلند کیا۔ اس بات سے داروغہ جیل اور مجسٹریٹ بھی حیران رہ گئے کہ دوسرے قیدی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے کتنے بے تاب ہیں۔ کلمہ شہادت کی فضاء سے ساری جیل گونج اٹھی۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ذرا دیر

کے لئے رکے۔ پولیس اور مجسٹریٹ کی جانب نگاہ دوڑائی اور زیرلب کچھ پڑھا اور تختہ دار کے قریب جا پہنچے۔ تختہ دار کے قریب متعلقہ حکام مسلح پولیس جوانوں کے ہمراہ مستعد کھڑے تھے۔ سب کی نگاہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وجود کا طواف کر رہی تھیں اور حیران ہو رہی تھیں کہ کوئی بھی ملزم اس آن بان اور شان سے تختہ دار کی جانب نہیں بڑھتا اور نہ ہی بے تاب ہوتا ہے لیکن وہ بے چارے اس بات سے بے خبر تھے کہ سچے مسلمان کی یہی وہ شان ہے۔ جس کے سہارے وہ ہر وقت شہادت کی آرزو میں تڑپتا رہتا ہے۔ ایسے وقت ہر شخص اپنی جگہ ساکت و صائم کھڑا تھا۔ پھر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے قدم تیزی سے تختہ دار پر چڑھے اور اس مقام پر جا کھڑے ہوئے جہاں پھندا پھانسی موجود تھا۔

آخری خواہش:

اس وقت مجسٹریٹ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ آخری خواہش دریافت کی جس کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ پھانسی کا پھندا میں اپنے ہاتھوں سے اپنے گلے میں ڈالوں۔ مجسٹریٹ نے جواباً کہا کہ علم الدین یہ خودکشی کی بات ہوگی اور اس کی اجازت نہیں ہے۔ مجسٹریٹ کی اس بات پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خاموشی اختیار کر لی اور اصرار بالکل نہ کیا۔ پھر اتنا کہا کہ میرے ہاتھ اور پاؤں نہ باندھے جائیں تاکہ شدید اذیت سے دوچار ہوں اور اسی کی طفیل مجھے اگلے جہاں میں محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہو سکے لیکن متعلقہ حکام نے اس آرزو کو سختی سے کچل دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پاؤں حسب روایات باندھ دیئے گئے۔ آنکھوں پر سیاہ پٹی اور سر پر کپڑا چڑھایا گیا۔ اس عرصے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں موجود حکام اور مسلح پولیس نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

> ''میں نے ہی حرمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے راجپال کو قتل کیا ہے۔
> تم گواہ رہو کہ میں عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ شہادت پڑھتا ہوا اپنی جان دے رہا ہوں۔''

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے باآواز بلند کلمہ شہادت پڑھا اور پھر تختہ دار کے رسہ کو

بوسہ دیا۔ اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر عجیب سی مستی بھری کیفیت طاری تھی اور ہر وہ شے جو انہیں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں سرخروئی بخش سکے وہ پیاری لگ رہی تھی۔

پھانسی کا اشارہ:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے گلے میں رسہ ڈال دیا گیا۔ مجسٹریٹ نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ معمولی اشارے کے ساتھ ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں تلے سے تختہ دار کھینچ لیا گیا۔ چند لمحوں بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وجود دوسروں کی طرح بالکل نہ تڑپا اور فرشتہ اجل نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو تختہ دار پر لٹکنے سے قبل ہی اس زحمت سے نجات دے دی۔ ڈاکٹر نے موت کی تصدیق کی اور نعش کو تختہ دار سے اتارنے کی اجازت دے دی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مردہ جسم تختہ دار سے اتار لیا گیا۔ اس یادگار موقع پر حضرت پیر غلام دستگیر نامی نے ذیل کے شعر سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کو یوں خراج تحسین بخشا:

برائے سال وفاتش بگفت ہاتفِ غیب

شہیدِ عشق محمد کبیر علم الدین

تاریخ شہادت کے لئے غیب سے یہ آواز آئی:

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے شہید علم الدین (رحمۃ اللہ علیہ) کا رتبہ بہت بلند ہے۔''

طلوعِ سحر

۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل چکی تھی کہ کل صبح سویرے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کر دیا جائے گا۔ چنانچہ بدھ کی رات سے ہی لوگ جوق در جوق نزدیکی شہروں سے میانوالی پہنچنا شروع ہو گئے اور انہوں نے میانوالی جیل کے باہر موجو میدان میں ڈیرہ جمالیا۔ صبح ہوتے ہی جیل سے شہر کی طرف کا قریباً دو سے تین میل تک کا علاقہ وجودِ انسانی سے بھرا ہوا سمندر تھا۔ پورا میدان اللہ اکبر اور درودِ پاک کے ورد سے گونج رہا تھا۔ ہر شخص کی یہ تمنا تھی کہ صبح ہوتے ہی جیسے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جسد خاکی جیل سے باہر آئے تو وہ ان کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر اپنی روح اور ایمان کو تازہ کریں۔ یہ ان کا شہید کے لئے خراج عقیدت پیش کرنے کا ایک جذبہ تھا جس کی جتنی تعریف کی جائے کم تھی۔

جیل سے باہر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد طالع مند و دیگر مسلمان اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ جیل حکام آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مردہ جسم ان کے حوالے کریں گے اور وہ باقاعدہ غسل اور کفن دفن کا انتظام کریں۔ لیکن حکام بالا اس بات سے شدید ہراساں تھے کہ کہیں ایسے وقت کوئی ہنگامہ نہ ہو جائے اور جلسے جلوس نکلنے شروع ہو جائیں اور حالات شہر خراب ہو جائیں۔ اسی خطرہ کے پیش نظر جیل کے حکام نے نعش ان کے حوالے کرنے سے سختی سے انکار کر دیا اور عجلت میں تمام نعش کو غسل اور کفن دیئے بغیر قیدیوں کے قبرستان میں ایک گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ ان کی عجلت پسندی کا یہ عالم تھا کہ لحد کھودنے کے لئے جو گھڑے منگوائے گئے تھے وہ بھی ویسے کے ویسے باہر ہی پڑے رہ گئے اور صرف ایک کمبل ڈال کر گڑھا مٹی سے پر کر دیا

گیا۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح حیوانوں کی مانند گھڑے میں دفن کرنے کی سازش دراصل گورنر پنجاب کے حکم پر کی گئی تھی۔ اس نے یہ قدم اس لئے اٹھایا تھا کہ وہ اس بات سے حد درجہ خوفزدہ ہو گیا تھا کہ کہیں نعش مسلمانوں کے قبضہ میں جانے سے خوفناک فساد نہ اٹھ کھڑا ہو۔ ایسے میں ایک نمبردار قیدی نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے میت کو دفناتے ہوئے باآواز بلند کلمۂ شہادت اور درود شریف پڑھا اور اپنی چادر کاندھے سے اتار کر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر ڈال دی۔

جیل سے باہر طالع مند اور دوسرے مسلمان چونکہ نعش کے حصول کے لئے جمع تھے۔ انہیں جب یہ علم ہوا کہ جیل حکام نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بلا غسل وکفن دفن بری بے دردی سے قیدیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا ہے تو ان میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ جیل سے باہر موجود مسلمانوں نے نہایت بلند آواز سے نعرہ رسالت' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرے لگانے شروع کر دیئے جس پر پولیس کے جوانوں نے ان کو منتشر کرنے کے لئے آگے بڑھ کر کارروائی کرنا چاہی۔ لیکن اس وقت ڈپٹی کمشنر زمان مہدی آگے بڑھے اور بڑی مشکل سے مسلمانوں کے اس اجتماع کو مطمئن کیا اور ہجوم سے منتشر ہونے کی اپیل کی جس پر ہجوم بڑی مشکل سے منتشر ہوا۔ طالع مند نے اس صورت حال اور جیل حکام کی بے بسی کے بارے میں فوری طور پر ایک تار لاہور بھیجا۔ جس پر لاہور کے تقریباً تمام مسلمان نوجوان سڑکوں پر نکل آئے۔ ایسے موقع پر ''اخبار زمیندار'' نے ایک خصوصی ضمیمہ شائع کیا جس سے صورتحال لاہور میں از حد مخدوش ہو گئی۔

روزنامہ زمیندار میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں خبر چھپی جس نے مسلمانوں کے دلوں پر جلتی کا کام کیا اور ایک طوفان بے پناہ احتجاج کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ماتمی جلوس نکالے گئے۔ احتجاجی قراردادیں منظور کی گئیں اور اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی میت کو صندوق میں بند کر کے لاہور پہنچایا جائے تاکہ آبرومندانہ شرعی طریقے سے ان کی تجہیز و تکفین کے انتظام کئے جائیں اور انہیں باقاعدہ نماز

جنازہ پڑھا کر دفن کیا جائے اور اس بات کا اعادہ کیا جائے کہ اگر میت مسلمانوں کے حوالے نہ کی گئی تو احتجاج جاری رکھا جائے گا اور کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے گا۔

اس سارے واقعہ کے دوران ہزاروں لوگ میانوالی جیل پہنچ گئے۔ جیل حکام اس ساری صورتحال سے اس بری طرح گھبرا گئے اور اس بات سے شدید خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان لاش کو قبر کھود کر لے جائیں۔ اس مقصد کے لئے قبرستان پر پولیس کے مسلح نوجوانوں کا پہرہ لگا دیا اور رات کو روشنی کی خاطر گیسوں کی روشنی کی گئی تاکہ رات کے اندھیرے میں کوئی ایسی کاروائی اگر ہو تو اس کا فوری تدراک کیا جائے۔ دوسری طرف جیل کے تمام مسلمان قیدیوں کو اس بات سے شدید صدمہ پہنچا اور انہوں نے باہم مل کر درود شریف لاتعداد مرتبہ پڑھ کر شہید کی روح کو ایصال ثواب پہنچایا۔ ایک اخبار کی رپورٹ کے مطابق:

> "جیل کے اندر ۳۵ قرآن پاک اور ۲۱ ہزار مرتبہ درودِ پاک پڑھ کر شہید کی روح کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔"

تمہارے مرتبہ تک فکر کی پرواز کیا پہنچے
تو پھر میں کس طرح کہہ دوں کہ تم کیا ہو کہاں تم ہو

میت کا حصول

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی میت کے حصول کے لئے مسلمانوں کی طرف سے جلسے جلوسوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسی طرح کا ایک جلسہ لاہور میں بھی ہوا جس کی قیادت امیر بخش پہلوان نے کی۔ جلوس جب بھاٹی چوک میں پہنچا تو وہاں پر مولانا ظفر علی خان نے ایک ایمان افروز تقریر کی جس کا متن کچھ یوں تھا:

"اسلام کے سپاہیو! تم نے دیکھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت پر مر مٹنے کا کیا انجام ہے؟ مردہ قومیں زندہ ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ طاقت ہے جس کے مقابلے میں کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔"

احتجاج کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور مسلمانوں کے مطالبے میں روز بروز شدت آتی جا رہی تھی۔ روزانہ ایک نہ ایک جلوس نکلتا جس میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی میت کے حصول کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ اس اثناء میں مسلم اکابرین جن میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ' مولانا غلام محی الدین قصوری' سر شفیع اور میاں عبدالعزیز جیسے معززین شامل تھے نے باہمی صلاح مشورے کے بعد ایک وفد تشکیل دیا جو کہ ۴ نومبر ۱۹۲۹ء کو گورنر پنجاب سے جا کر ملا اور اس سے میت کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ڈپٹی کمشنر لاہور اور ڈپٹی کمشنر پنجاب دونوں نے مسلمانوں کے جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے گورنر نے اس فیصلہ پر نظر ثانی کی درخواست کی تا کہ امن و امان کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔ گورنر نے وفد سے سب سے پہلا سوال ہی یہ کیا کہ اگر نعش لاہور آئی اور ہندو مسلم فساد شروع ہوئے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہو گی؟ گورنر کی اس بات پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً جواب دیا کہ اگر ایسی کوئی بات ہو گئی

تو آپ میری گردن اڑا دیجئے گا۔ یہ بات کرتے ہی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں سے جلال برسنے لگا۔ جس پر گورنر نے نعش کی حوالگی کا یقین دلایا۔

گورنر کی یقین دہانی کے بعد اب وفد نے نعش کے لاہور لانے کے تمام انتظامات کے بارے میں اور راستوں کی نشاندہی اور دیگر شرائط پر غور وخوض کے لئے ۷ نومبر کی شام تک کا عرصہ مانگا تا کہ تمام معاملات طے ہوسکیں۔ لاہور میں تمام سرکردہ مسلمان تنظیموں اور افراد کا اجلاس وفد نے طلب کیا۔ جس میں تمام امور پر بحث کے بعد جو فیصلہ کیا گیا اس کے مطابق وفد نے ۷ نومبر شام چھ بجے گورنر پنجاب سے پھر ملاقات کی جس میں یہ طے پایا کہ مسلمانوں کو نعش کی حوالگی کی اطلاع چوبیس گھنٹے قبل دی جائے اور مسلمان مجسٹریٹ نعش میانوالی سے لاہور اپنی نگرانی میں لائے اور لاہور میں وفد کے حوالے کی جائے۔ گورنر پنجاب سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۳ نومبر ۱۹۲۹ء کو لاہور سے مسلمانوں کا ایک وفد میانوالی پہنچا۔ اس کے علاوہ لاہور کے دو میونسپل کمشنر اور ایک مسلمان مجسٹریٹ بھی بحکم حکومت پنجاب میانوالی گئے تا کہ اپنی نگرانی میں نعش کو لاہور لانے کا بندوبست کریں۔

دوسرے دن علی الصبح دونوں مسلمان میونسپل کمشنروں اور مجسٹریٹ کی موجودگی میں میانوالی کے قیدی قبرستان کے کھودے گڑھے سے نعش کو نکلوایا گیا اور بصد احترام ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر لایا گیا۔ جہاں سے اسے لاہور لے جانے کے لئے ایک صندوق بنوایا گیا اور اس صندوق میں بند کر دیا گیا۔ یہ صندوق سیّد مراتب علی شاہ گیلانی نے بنوایا تھا۔ اس کے اندر جست لگا ہوا تھا اور جست پر روئی کی موٹی تہہ بچھی ہوئی تھی۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے جسم کو کسی بھی قسم کی تکلیف سے بچاؤ کے لئے سرہانے نرم وملائم تکئے رکھے ہوئے تھے۔ روئی کو کافور سے خوشبودار کیا گیا تھا۔ نعش گیلانی صاحب نے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر صندوق میں رکھی اور کلمہ شہادت کے ورد کے ساتھ نعش کو صندوق میں بند کر دیا گیا۔

جن لوگوں کے سامنے نعش کو اس گڑھے سے نکالا گیا ان کا بیان ہے کہ غازی علم

الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے دو ہفتے گزر جانے کے بعد اور نعش کو اس بے دردی سے گڑھے میں دفنانے کے باوجود بھی جسم مبارک سے کوئی تغفّن نہ تھا۔ جسم صحیح سالم تھا اور چہرے پر جمال وجلال کی کیفیت تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی جو ان کی شہادت کی آرزو کی گواہی تھی۔ جس گڑھے میں نعش کو دفنایا گیا تھا اس گڑھے میں سے مسحور کن خوشبو فضا میں چاروں طرف پھیل کر ایک مستانی کیفیت پیدا کر رہی تھی۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے صندوق کو کلمہ شہادت کے ورد کے ساتھ گاڑی میں رکھ کر ریلوے اسٹیشن میانوالی پہنچایا گیا جہاں پر ایک خصوصی ٹرین میت کو لاہور لے جانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔ اس خصوصی ٹرین میں ایک ڈبہ فرسٹ کلاس کا' ایک سکینڈ کلاس کا اور دو بوگیاں لگائی گئی تھیں۔ شام ساڑھے چار بجے یہ خصوصی ٹرین میانوالی سے روانہ ہوئی اور راستے میں کسی مقام پر نہ ٹھہرتے ہوئے رات ایک بج کر چالیس منٹ پر لالہ موسیٰ اسٹیشن سے گزری۔ ۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء کو صبح کے وقت لاہور چھاؤنی کے اسٹیشن میاں میر نہر کے پل پر سنٹرل جیل لاہور کے پاس روک دی گئی۔ سنٹرل جیل کی دو گاڑیاں پہلے سے پل کے نزدیک تیار کھڑی تھیں۔ وہاں سے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی میت سنٹرل جیل حکام نے وصول کی جنہوں نے شام پونے سات بجے وہ میت مسلم لیگ کے ایک وفد جن میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور سر محمد شفیع شامل تھے کے حوالے کر کے ان سے رسید لی۔ اس وقت وہاں پر چند میونسپل کمشنر بھی موجود تھے۔ سنٹرل جیل سے میت کو لے کر یہ وفد عیدگاہ بہاولپور روڈ واقع قبرستان میانی صاحب لے گئے جہاں پر سات بجے کے نزدیک جنازہ اٹھایا گیا۔

عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ

۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء کی صبح کو مسلم اکابرین جن میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغہ روزگار بھی تھے ایک میٹنگ میں اس بات کو پیش کیا گیا کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا شرف کسے حاصل ہو۔ اس موقع پر اخبار ''روزنامہ سیاست'' کے مدیر اعلیٰ اور مالک سیّد حبیب اللہ صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے کہا کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا حق ان کے والد بزرگوار میاں طالع مند کا ہے۔

سیّد حبیب اللہ کی بات سن کر میاں طالع مند نے کہا کہ اگر یہ حق مجھے حاصل ہے تو میں اپنا حق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو دیتا ہوں کہ وہ نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ اس کے بعد علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سیّد حبیب اللہ اور دیگر اکابرین کے مشورہ سے اس وقت کے نابغہ روزگار عالم دین حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام تجویز کیا لیکن وہ موقع پر تشریف نہ لا سکے جس کہ وجہ سے پہلی نمازِ جنازہ مسجد وزیر خان کے خطیب قاری شمس الدین صاحب نے پڑھائی۔ قاری شمس الدین صاحب جب نمازِ جنازہ پڑھا کر فارغ ہوئے تو اتنے میں مولانا سیّد دیدار علی شاہ الوریؒ مولانا سیّد احمد شاہ صاحب کے ہمراہ تشریف لے آئے۔

چنانچہ مولانا سیّد دیدار علی شاہ صاحب نے دوسری مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھائی جس کے بعد مولانا سیّد احمد شاہ صاحب نے تیسری مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد مختلف علمائے کرام نے بھی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ بعد ازاں جنازہ اٹھانے کی تیاری کی گئی۔

ساڑھے دس بجے کے قریب جب جنازہ اٹھایا گیا تو لوگ کندھا دینے کے لئے دیوانہ وار آگے بڑھ رہے تھے لیکن بے شمار لوگوں کو اس سعادت سے محروم ہونا پڑا۔ کئی لوگوں

نے اپنی گاڑیاں جنازہ کے بانسوں میں پھنسا رکھی تھیں اور لوگ ان گاڑیوں کو اس تصور سے پکڑے چل رہے تھے جیسے انہوں نے میت کے جنازہ کے بانسوں کو پکڑ رکھا تھا۔ فضاء کلمہ شہادت سے گونج رہی تھی جنازے کا جلوس تقریباً ساڑھے پانچ میل لمبا تھا۔

کچھ بد باطن لوگوں نے اس دوران جلوس کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی لیکن اس مقصد کے لئے قائم کردہ رضا کار کمیٹی کے قائدین مولانا ظفر علی خان، حکیم احمد حسن اور دیگر رہنماؤں نے بروقت اس پر قابو پالیا اور اس طرح جنازہ آہستہ آہستہ کلمہ شہادت اور درود شریف کی پرشکوہ گونج میں اپنے اصل مقام کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا اور اس طرح انتہائی امن وسکون سے میانی صاحب قبرستان میں اپنے مقام مدفن میں پہنچ گیا۔

اس کے باوصف شدت بے تابی کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور دور سے بھاگے چلے آرہے تھے۔ جس طرف بھی انسانی نگاہ اٹھ رہی تھی اور حد نظر لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آرہا تھا۔ جناز گاہ سے لے کر قبرستان میانی صاحب جائے مدفن تک ہزاروں کی تعداد میں مستورات بھی اونچے اونچے ٹیلوں پر بیٹھیں کلمہ شہادت پڑھ رہی تھیں۔ سب سے پہلے طالع مند جائے مدفن پر تشریف لائے۔ لوگوں کا ایک ہجوم ان کے گرد پروانہ وار گھوم رہا تھا اور ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال رہا تھا۔ جس سے ان کی گردن ہاروں سے بھری ہوئی تھی۔ سارے راستے میں لوگ پھولوں سے لدی ہوئی چھابیاں لئے کھڑے تھے اور دیوانہ وار پھول اٹھا اٹھا کر میت پر نچھاور کر رہے تھے۔ اس روز پھول فروشوں نے پھول مفت تقسیم کئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک نہایت صاف ستھری اور بہت نفیس تیار کی گئی تھی۔ لوگ پھول لالا کر قبر میں پھینک رہے تھے جس سے قبر کے اندر پھولوں کا ایک فرش سا بچھ گیا تھا۔ اب نعش کو قبر میں اتارنے کا مرحلہ آیا۔ سارا مجمع کلمہ شہادت کے ورد سے گونجنے لگا۔ حاضرین میں سب سے پہلے حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ الوری اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ قبر مبارک میں اترے اور پھر میت کو بصد احترام اپنے ہاتھوں سے لحد مبارک میں

اتارا۔ لوگوں نے فرط عقیدت سے اس قدر پھول قبر کے اندر پھینکے کہ میت ان میں چھپ گئی۔ پھر اوپر اینٹوں کے تعویذ سے قبر مبارک کو بند کر دیا گیا اور کلمہ شہادت کے ورد کی گونج میں لحد مبارک پر مٹی ڈالی گئی اور دعائے فاتحہ ادا کی گئی۔

اس دوران علم الدین رضا کار کمیٹی کے جوانوں نے تمام راہ بڑی جانفشانی اور صدق دل سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ راستے میں لوگوں کی گمشدہ اشیاء کو اپنے قبضہ میں لیا اور سارے مجمع میں اعلان کروایا کہ جس کی کوئی شے گم ہوگئی ہو تو وہ علم الدین کمیٹی کے دفتر سے آ کر اپنی گم شدہ اشیاء پہچان کر لے جائیں۔ اس طرح لوگوں کو اس ہجوم میں گرنے والا مال بھی انہیں واپس مل گیا۔

نماز جنازہ میں شرکت کے لئے لاہور کے باہر سے بھی لوگ تشریف لائے تھے۔ ان میں حکیم احمد حسن بھی بڑی مشکل سے لاہور پہنچے۔ اس سارے انتظام کے سلسلہ میں سر محمد شفیع، ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ظفر علی خان، ملک لال خان قیصر، غلام مصطفیٰ حیرت اور کئی دوسرے اہم افراد نے بہت جانفشانی اور خوش اسلوبی سے معاملات نپٹائے تا کہ لاہور کی فضاء ہندو مسلم فسادات کی لپیٹ میں نہ آسکے اور اہلیان شہر محفوظ و مامون رہ سکیں۔ ۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء کا دن وہ یادگار دن ہے کہ اس روز شہر لاہور کے تمام مسلمان چھٹی پر تھے، تمام مسلمان دوکانداروں نے اپنی دوکانیں بند کر رکھیں تھیں میوہ منڈی، سبزی منڈی، قصاب منڈی بالکل بند رہیں، تمام سکولوں کے مسلمان طلباء اور دفاتر کے مسلمان ملازمین نے بھی چھٹی کی اور جنازہ میں شرکت کی۔

مزارِ مبارک کی تعمیر

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی تعمیر کے لئے حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ قبلہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بصورت نقدی عطیہ پیش کیا۔

نقشہ مزار منشی واجد علی صاحب ڈرافٹ مین نے تیار کیا۔

شہید مرحوم کی قبر ۱۹۲۹ء میں تعمیر ہوگئی تھی جبکہ مزار چند سال بعد تعمیر ہوا۔

مزار مبارک کا پہلا مجاور نواب دین تھا جس کی رحلت کے بعد اب اس کی اولاد مزار کی نگران ہے۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانور پر ایک شمع دان موجود ہے۔ جو ایک نومسلمہ خاتون حسن آرا بیگم عرف مسز بیگ نے بطور عطیہ پیش کیا۔ یہ نومسلمہ مستورہ انجمن حمایت السلام لاہور کے زنانہ یتیم خانہ کی مہتمم تھیں۔ لوحِ مزار بھی اس نیک عورت نے ہی بنوایا اس پر کشمیری اور گجراتی لہجے میں قافیہ وردیف کی قید سے آزاد چند اشعار بھی موجود ہیں۔ یہ موزوں اشعار بھی نومسلمہ موصوفہ کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہیں۔ مزار کا دروازہ جنوب کی طرف ہے۔ اس دروازے کی مشرقی حصے کی دیوار میں چار جالیاں ہیں جن کے مندرجات یہ ہیں۔

> "عاشق رسول غازی علم الدین شہید آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس سے گریز کرنے والو! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر شہید ہونے کی عزت کا نظارہ اس کے جنازے سے نہیں ہوا۔ اگر دین و دنیا میں بھلائی چاہتے ہو تو محبوب خدا پر جان قربان کر دو اور عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پکڑو۔ جو منکر ہے وہ کافر ہے۔"

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مزارِ پاک بہاولپور روڈ نزد عید گاہ قبرستانی میانی صاحب لاہور میں آج بھی مرجع گاہ خلائق خاص و عام ہے۔ ہزاروں لوگ مزارِ پاک پر حاضر ہو کر عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان خوش قسمت لوگوں میں ہوتا ہے جو بقائے دوام کو پا لیتے ہیں۔ بے شمار لوگ ایسے ہیں جو بقائے دوام کی تلاش میں رہتے ہیں لیکن وہ اس کو پانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بقائے دوام حقیقت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا ہونے کا نام ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی ناموس کی خاطر قربانی دینے والوں کی قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی اور اللہ عزوجل ان لوگوں کو حیاتِ جاودانی عطا فرما دیتا ہے جس کی زندہ مثال غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ناموسِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی اور ہمیشہ کے لئے امر ہو گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پاک پر آج ہزاروں لوگ حاضر ہوتے ہیں اور اپنے ایمان کو تازگی بخشتے ہیں۔

فضائل و کرامات

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسا جوان مرد اور عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' جو مانند آفتاب افق عشق پر روشن ہوا اور اپنے عشق کی بے مثال کرنیں بکھیرتا ہوا اس دنیا کو عجب سرمستی اور سرشاری کی لازوال نعمتیں بخش گیا اور جس نے ایک سوئی ہوئی قوم کو پھر سے زندہ کر کے دنیا والوں کو' آریہ سماج والوں کو' عیسائیت اور یہودیت کے ہرزہ سراؤں کو یہ بتا دیا کہ مسلم قوم ابھی مردہ نہیں ہوئی۔ اس کی رگوں میں بہنے والا خون تمام سازشوں اور ہرزہ سرائیوں سے منجمد نہیں ہوا بلکہ اس کے اندر تم نے جو زہر سرایت کیا تھا اس زہر کو نکال کر پھر اسی آب و تاب سے اس کے بہاؤ کو رواں دواں کرنے کا فن مسلمانوں کو آتا ہے۔ تمہاری خباثتوں کی وجہ سے اس پر جو غنودگی چھا گئی تھی اس غنودگی کا توڑ قربانی ہے اور دیکھو کہ ناموس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونے سے وہ غنودگی دور ہو کر پھر سے جذبہ حریت سے سرشار قوم بن گئی ہے اور اس کی یہی سرشاری تمہاری تمام خباثتوں' رذالتوں اور ہرزہ سرائیوں کی موت ہے۔ بہرحال غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی چند فضیلتیں یا کرامات کا ذکر حسب ذیل ہے۔

کائنات کے اسرار و رموز:

میانوالی جیل میں منتقلی کے چند یوم کے بعد سیال شریف کے سجادہ نشین نے بھی غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ پیر صاحب نے جب غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ مبارک پر نگاہ ڈالی تو ایک عجیب جلال و جمال اس کے چہرے پر موجود پایا اور بے حد مرعوب ہوئے اور کوئی خاص بات ہونے کے باعث منہ سے کوئی بات نہ نکال سکے۔

حکم ربی انہوں نے سورہ یوسف کی تلاوت شروع کر دی چونکہ پیر صاحب ایک اچھے قاری اور حافظ تھے لیکن وہ اپنے اندر سورۂ یوسف پڑھنے کا یارانہ پاتے تھے اور وفورِ جذبات سے ان کی آواز بار بار رک جاتی تھی۔ اس پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا کہ بسم اللہ شریف پڑھ کر ایک دفعہ پھر سے شروع کریں۔

پیر صاحب نے دوبارہ تلاوت کا آغاز کیا لیکن اس دفعہ بھی روانی نہ آسکی اکثر گلوگیر ہو کر رک جاتے اور کسی اور عالم میں پہنچ جاتے گو غازی علم الدین قرآن پاک نہیں پڑھے ہوئے تھے اور انہیں سورۂ یوسف ہرگز نہ آتی تھی لیکن وہ پیر صاحب کو صحیح لقمے دیتے رہے اور سورۂ یوسف پڑھنے میں پوری پوری مدد کی۔ پیر صاحب ملاقات کر کے باہر آئے تو فرطِ حیرت سے ان کی زبان گنگ تھی انہوں نے صرف اتنا فرمایا:

"میں علم الدین کے لبادے میں کوئی اور ہستی پاتا ہوں، کون کہتا ہے
کہ غازی علم الدین ان پڑھ اور جاہل ہیں، انہیں علم لدنی حاصل ہے
اور وہ کائنات کے اسرار و رموز سے واقف ہیں۔"

غیبی علوم:

حاجی میاں نیاز احمد ایم اے کہتے ہیں کہ اسیری کے دوران غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حسن کو مزید نکھار گیا تھا۔ ان کے ہاتھوں کے وہ داغ اور چھالے جو پیشے کے کام سے ہتھیلیوں پر ابھرے تھے یکسر مٹ گئے اور ہاتھ سنگ مرمر کی طرح ملائم و شفاف ہو گئے کہ ان کو دیکھ کر عقل انسانی دم بخود رہ جاتی ہے۔

گو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے لیکن اس وقت جیلوں میں بھی ان مشاغل پر ایک طرح کی پابندی ہوتی تھی وہ ملاقاتیوں کو قرآنی آیات پڑھ کر سناتے اور بڑے بڑے مشکل نکات کو فلسفیانہ انداز میں بڑی آسانی سے سلجھا کر پیش کرتے کہ انسان خود حیران و ششدر رہ جاتا انہیں پورا قرآن حفظ ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ انہیں یہ علم کون سکھا گیا۔

خاص قسم کی روشنی:

جن دنوں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو میانوالی جیل میں منتقل کیا گیا انہی دنوں وہاں سیّد احمد شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ اور شیخ خورشید اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل تعینات تھے۔ان حضرات کے بیان کے مطابق:

> ''ایک رات ہم سپرنٹنڈنٹ جیل کے ہمراہ جیل میں گشت کر رہے تھے کہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کوٹھری سے ایک خاص قسم کی روشنی نظر آئی جس سے ہم بہت متاثر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں سربسجود ہو گئے۔''

صبر واستقلال:

جیل آنے سے پہلے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا وزن ۱۲۸ پونڈ تھا لیکن بوقت شہادت آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وزن ۱۴۰ پاؤنڈ تھا حالانکہ موت کی سزا کا حکم اکثر قیدیوں کو حواس باختہ کر دیتا تھا اور اسی حواس باختگی میں ان کا وزن بہت زیادہ گر جاتا تھا جبکہ یہاں صورتحال یکسر مختلف تھی۔کمال صبر واستقلال سے چہرے پر رونق اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی جس سے وزن میں اضافہ ہوا۔

قلب کو سکون:

جن دنوں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ لاہور جیل میں قید تھے انہیں دنوں انہوں نے اپنے لواحقین کو بتایا:

> ''مجھے ایک سفید پوش نورانی بزرگ کی زیارت ہوئی ہے انہوں نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا! بیٹا! مطمئن رہو تجھے جلد ہی بلا لیا جائے گا اسی وقت سے میرے قلب کو کمال درجہ سکون میسر ہے۔''

روحانی طاقت:

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی طاقت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے جو کوئی آتا آپ کی کوٹھری کے باہر برآمدے میں پانی کا ایک گھڑا رکھا تھا آپ رحمۃ اللہ علیہ اس سے اپنے ملاقاتی کو پانی پلاتے تو اس پانی کے پینے سے پینے والے کو عجیب سرور اور لطف حاصل ہوتا۔

فیصلے کا علم:

پریوی کونسل سے اپیل کے اخراج کی خبر لے کر جب کارندۂ جیل ان کے پاس آیا تا کہ ان کو مطلع کر سکے کہ اس کے بولنے سے پہلے ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"مجھے یہ خبر دینے آئے ہو کہ اپیل خارج ہو گئی ہے پرسوں جب یہ فیصلہ ہوا تو مجھے اسی وقت علم ہو چکا تھا۔"

وہ ملازم دوڑتا ہوا اپنے دفتر گیا اور حیرت و استعجاب سے کہنے لگا کہ غازی علم الدین کوئی عام قیدی نہیں ہے۔ یہ سن کر جیل کے اعلیٰ ارکان اس کا منہ تکتے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی پیشین گوئی:

سپرنٹنڈنٹ جیل سیّد نور حسین شاہ نے چونکہ ڈپٹی کمشنر راجہ زمان مہدی خان کو مشورہ دیا تھا جس پر انہوں نے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کو لاوارثوں کی طرح قبرستان میں دفن کیا جائے اور پرامن ہجوم پر سنگ باری کرائی جائے۔ چونکہ وہ جہلم شہر کے رہنے والے تھے اس لئے وہ اس بات کے چشم دیدہ گواہ ہیں کہ اس کی بیوی کو بلیاں پالنے کا جنون سوار ہو گیا اور وہ اسی کھیل میں رات دن مستغرق رہنے لگی۔ اس کا بیٹا جو پولیس کا اعلیٰ آفیسر تھا مخبوط الحواس ہو کر مرا اور خود ایس پی نور حسین شاہ نے موت کے پنجہ استبداد میں سسک سسک کر جان دے دی اور اس طرح غازی علم الدین شہید کی یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی کہ

میری میت کے حصول میں دشواری پیش آئے گی اور جب مجھے لحد میں اتارا جائے گا تو رم جھم ہو رہی ہوگی۔

سکھ سول سرجن کا قبولِ اسلام:

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نعش جب گڑھے سے نکالی گئی تو اس میں نہ تو کوئی تعفن پیدا ہوا تھا اور نہ ہی اسے کوئی نقصان پہنچا تھا۔ اس منظر سے متاثر ہو کر بہت سے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے جن میں میانوالی جیل کا سکھ سول سرجن بھی شامل تھا۔ بعدازاں وہ سرجن عزیز و اقارب کے غضب سے بچنے کے لئے لندن جا کر مقیم ہو گیا۔

والدہ کو دلاسا دینا:

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ اکثر ان کے غم میں پریشان رہا کرتی تھیں۔ ایک رات غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پڑوسن چراغ بی بی کو خواب میں آ کر فرمایا کہ میری والدہ ماجدہ سے کہہ دینا وہ رویا نہ کرے میں جلد ہی گھر آ جاؤں گا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کی میت ہی لاہور واپس آئی۔

لنگوٹیے یاروں کا انجام:

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دو سابقہ لنگوٹیے یار دینا پان فروش اور حاجی صدیق کسی وجہ سے ملنے نہ آئے۔ جس پر غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عزیزوں سے کہا کہ ان کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ پھر دینا تو ایسا غائب ہوا کہ اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ جبکہ حاجی صدیق ایک مدت کے بعد بیمار ہوا اور بستر مرگ پر سسک سسک کر جان دے دی اور کئی گھنٹوں تک کسی کو بھی اس کے مرنے کی خبر نہ ہوئی اور جب اس کی نعش میں تعفن پیدا ہوا تو تب محلہ والوں کو پتہ چلا اور انہوں نے ازراہ ہمدردی اسے سپرد خاک کیا۔

کتابیات

۱۔ مکاشفۃ القلوب از حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ شہادت نواسۂ سیّد الابرار از حضرت مولانا محمد عبدالسلام قادری رضوی

۳۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ از رائے محمد کمال

۴۔ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ از منشی عزیز الدین

۵۔ سیرتِ پاک غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ از محمد جاوید قادری رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ ضربِ کلیم از علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم (منظوم کلام)

۸۔ پنجاب کی سیاسی تحریکیں

۹۔ تاریخ مسلم لیگ

۱۰۔ کتابچہ پیر غلام دستگیر نامی

ہماری چند دیگر مطبوعات



ناشر
اکبر بک سیلرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور
Ph: 042 - 7352022
Mob: 0300-4477371

Designed by: Sakhawat 0321-8440620